﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾

"اور (اے نبی ﷺ) آپ اگر کہا مانیں گے اس اکثریت کا جو زمین میں بستی ہے تو وہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے سے ہٹا دیں گے"۔ (سورۃ الاعراف:۱۱۶)

حقیقت جمہوریت

جمہوریت کی تعریف و تاریخ اور قرآن وسنت اور سلف وصالحین کی تعلیمات کی روشنی میں "حقیقت جمہوریت" پر منفرد تحریر

تالیف:

ابو معاذ القرنی حفظہ اللہ

﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾

"اور (اے نبی ﷺ) آپ اگر کہا مانیں گے اس اکثریت کا جو زمین میں بستی ہے تو وہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے سے ہٹا دیں گے"۔ (سورۃ الاعراف:١١٦)

حقیقت جمہوریت

جمہوریت کی تعریف وتاریخ اور قرآن وسنت اور سلف وصالحین کی تعلیمات کی روشنی میں "حقیقت جمہوریت" پر منفرد تحریر

تالیف:

ابو معاذ القرنی حفظہ اللہ

فہرست مضامین

❁ کیا جمہوریت ایک الگ اور مستقل نظام زندگی ہے......؟؟

❁ کیا جمہوریت اسلامی شورائیت کی جدید شکل ہے......؟؟

❁ کیا ووٹ کو مشورہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے......؟؟

❁ کیا خلفائے راشدین کا انتخاب جمہوری بنیادوں پر ہوا تھا......؟؟

❁ کیا دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں فیصلے کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوتے تھے......؟؟

❁ کیا جمہوریت کے راستے مکمل اسلامی نظام کا نفاذ ممکن ہے......؟؟

❁ کیا جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کیا جاسکتا ہے......؟؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

عصرِ حاضر میں بڑے بڑے فتنوں میں سے ایک ”جمہوریت“ کا فتنہ ہے اور لوگوں کی اکثریت اس فتنے میں مبتلا ہے اور کیفیت یہ ہے کہ وہ اس جمہوریت کا دفاع کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے میں مشغول ہیں۔ یہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرکے کبھی اس کو اسلامی نظام شوریٰ کی جدید شکل قرار دیتے ہیں اور اس کے نظام انتخاب کو مشاورت کا نام دیتے ہیں تو کبھی خلفائے راشدین کے طریقۂ انتخاب کو توڑ مروڑ کر جمہوریت کے حق میں دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں ۔اسی طرح دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں ہونے والے فیصلوں کے بارے میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوتے تھے اور کبھی اس جمہوریت کو اختیار کرنے کے لئے مصلحتوں اور ضروریات کو دلیل بنایا جاتا ہے لیکن یہ فعل در حقیقت حق و باطل، نور و ضلالت اور توحید و شرک کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ کی توفیق سے اس کتاب میں ان تمام شبہات کا ردّ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ جمہوریت اللہ کے دین کے مقابل ایک مستقل دین ہے اور توحید کے خلاف ایک ملت ہے اور اسی طرح جمہوریت کی پارلیمانی اور اسپیکر کی نشستیں صریح شرک اور بت پرستی ہے، جن سے اجتناب کرنا توحید کی سالمیت کے لئے ضروری ہے جو کہ بندوں پر اللہ کا حق ہے ۔اس نظام کی بیخ کنی کرنا اور اسکے متعلقین سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے اور یہ کہ یہ جمہوریت کوئی ”اجتہادی مسئلہ“ بھی نہیں جیسا کہ بعض اس شیطانی دجل و فریب کا شکار ہیں۔ بلکہ یہ وہ واضح اور قدیمی شرک و کفر ہے جس سے اللہ نے اپنی محکم تنزیل میں ڈرایا ہے اور نبی علیہ السلام طویل عرصہ اس کے خلاف بر سرِ پیکار رہے ہیں۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سنت کو تھامتے ہوئے اُن کے متبع اور مددگار بننے کی کوشش کریں جو شرک و مشرکین اور ان کے نظام زندگی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے اور حق و اہل حق کی اجنبیت کے اس دور میں اس گروہ میں شامل ہو جائیں جو دین اللہ کے قیام

کے لئے رسول کریم ﷺ کے دیئے ہوئے طریقے کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ جس کے متعلق نبی مصطفی علیہ السلام نے فرمایا:

((لا تزال طائفة من امتی يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل اخرهم المسيح الدجال))

(ابوداؤد، باب دوم الجہاد)

"مسلسل میری امت میں سے ایک جماعت لڑتی رہے گی حق پر، غالب رہے گی اپنے مخالفین پر یہاں تک کہ وہ آخر میں مسیح دجال سے قتال کرے گی"۔

[فصل اول]

جمہوریت کی تعریف و تاریخ

جمہوریت کی تعریف

جمہوریت کے لغوی معنی "لوگوں کی حکمرانی" Rule of the People کے ہیں ۔ یہ اصطلاح دو یونانی الفاظ Demo یعنی "لوگ" اور Kratos یعنی "حکومت" سے مل کر بنا ہے۔ بعض لوگ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ لوگوں کی "اکثریت کی بات ماننا" لیکن در حقیقت یہ "اکثریت کی اطاعت" کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی مفکر ہیروڈوٹس (Herodotus) کہتا ہے کہ:

" جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر پورے معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں"۔

چنانچہ سابق امریکی صدر "ابراہم لنکن" کا یہ قول جو کہ جمہوریت کا نعرہ ہے ،اسی حقیقت کی عکاسی کرتا ہے:

"Goverment of the poeple, by the people,for the people"

"عوام کی حاکمیت، عوام کے ذریعے، عوام پر"

تاریخ جمہوریت

جمہوریت کا سب سے پہلا سراغ ہندوستان میں ملتا ہے۔6سو سال قبل از عیسوی اور "بدھا" کی پیدائش سے قبل ہند میں جمہوری ریاستیں موجود تھی اور ان کو Janapadas (جانا پداس) کہا جاتا

تھا۔ ان میں سب پہلی ریاست "وشالی" ریاست تھی جو کہ آج "بہار" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح سکندر اعظم کے دور میں 400 قبل از عیسوی یونانی دانشوروں کے مطابق Sabastai اور Sabaracae کی ریاستیں جو موجودہ پاکستان اور افغانستان ہیں، یہاں بھی جمہوری حکومت تھی نہ کی شاہی حکومت۔ اسی طرح ۵ صدی قبل مسیح میں Greece میں بھی کونسل اور اسمبلی کا تصور ملتاہے۔ Jalius Cessar اور سینٹ کے سربراہ Ponpey کے درمیان خانہ جنگی کے بعد Bc49 میں پہلی دفعہ "رومن ایمپائر" (Roman Empaire) وجود میں آئی۔ اسی طرح تمام جمہوری ادارے ہمیشہ سے ہی جزوی اور محدود جمہوریت کے ساتھ انسانی تاریخ میں موجود رہے۔ اس سلسلے میں چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) ہندوستان میں پنچائیت

(۲) جرمن قبائلی نظام (Tacitus)

(۳) فرینکش کسٹم آف مارچ فیلڈ (Frankish Custom of March Field)

(۴) آل تھنگ آف پارلیمنٹ آئس لینڈ (All Thing Parliment of Ice Land)

(۵) توتھا سسٹم آف آئرلینڈ (Tutha system of Ireland)

(۶) قریش کا دارالندوہ (قصیٰ ابن کلاب)

جمہوریت کے حوالے سے ایک غلط فہمی

دورِ حاضر میں بشمول دینی عناصر، لوگوں کے ذہن میں جمہوریت کے حوالے سے ایک مغالطہ یہ ہے کہ جمہوریت 200 سال قبل انقلابِ فرانس کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کی ایک نئی قسم "لبرل ڈیموکریسی" (Liberal Democracy) انقلابِ فرانس کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی۔ چنانچہ اس کے ساتھ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس جمہوریت کی تاریخ کیا ہے اور اس کا سفر کیسے طے ہوا ہے؟

1265ء میں انگلستان کی پہلی انتخابی پارلیمنٹ کی صورت میں "کامل جمہوریت" کی طرف پہلا قدم طے ہوا۔ 1517ء میں جب مارٹن لوتھر (MartinLuthar) نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور اصلاح (Reformation) کے نام پر اپنے مقالے چرچ کے دروازے نصب کر کے چرچ سے آزادی کا اعلان کر دیا۔ یہی نظریہ 1688ء کی "انگلش سول وار" کا پیش خیمہ ثابت ہوا، جبکہ "سینٹ" (Senate) کے لیڈر کروم ویل (Cromwell) نے انگلستان کے بادشاہ ہنری آئی (Hennry I) کو شکست دیکر سولی پر چڑھادیا۔ اس انقلاب کو "گلوریس ریولیشن" (Golorios Revelotion) کہا جاتا ہے، اور اسی کے بعد بادشاہت کا خاتمہ اور جمہوری دور کا آغاز ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

(۱) تمام مذاہب برابر قرار پائے، جس کی رو سے (Freedom of religon) کا نظریہ سامنے آیا جو کہ (Free from the religon) یعنی تمام مذاہب سے آزادی کا باعث بنا۔

(۲) کلیسا اور اسٹیٹ میں جدائی ہو گئی یعنی ریاست کے معاملات میں مذہب کا عمل دخل ختم کر دیا گیا۔

(۳) Bank of England کا قیام عمل میں آیا جس کے ذریعے سرمایا دارنہ نظام کی بنیاد رکھی گئی۔

(۴) سیاست جاگیر داروں Land Lords سے منتقل ہو کر سرمایہ داری میں منتقل ہو گئی۔

انقلابِ فرانس (French Revuolation) جس کو انسانی تاریخ میں "جمہوریت" کی ابتداء کی بنیاد قرار دیا جاتاہے۔یہ دراصل والٹیئر Volataire (1694-1778) اور روسل Rossel (1712-1778) جیسے بد قماش اور بدمعاش انسانوں کے فلسفوں اور نظریات کا نتیجہ تھا جن کو آج انسانی تاریخ کے عظیم مفکرین کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ان بد قماشوں کے عقائد میں یہ بات شامل تھی کہ "عیسائیت" پر عمل کرنا دراصل گھر پر کام کرنے والی خادماؤں پر لازم ہے ،ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور ان لوگوں کے عشق و محبت کے افسانے اور زناکاریاں کسی سے پوشیدہ نہیں۔چنانچہ ان دونوں کی تحریروں کے نتیجے میں 1789ء انقلابِ فرانس رونما ہوا جس کے درجِ ذیل بھیانک نتائج نکلے:

(۱) لامذہبیت (Seculerism) کو قانونی تشخص حاصل ہوا۔

(۲) مذہب سے آزادی حاصل ہوئی۔یعنی مذہب کو ایک بے کار اور useless شے سمجھا گیا۔

(۳) سیاسی حقوق میں مساوات کے تصور کو تسلیم کیا گیا جس کی رو سے معاشرے کے ہر فرد کے حق رائے دہی کو بغیر کسی تخصیص کے برابر تسلیم کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں Liberal Democracy کا فلسفہ معرض وجود میں آیا۔

(۴) تقسیم الحکم یعنی نظام حکومت کو تثلیث کی شکل میں تقسیم کر دیا گیا۔مقننہ،عدلیہ اور انتظامیہ۔

(۵) آزاد انتخاب کا تصور سامنے آیا۔

(٦) اور یہودیوں کا سب سے بڑا شیطانی ہتھیار "بینک" یعنی بینک آف فرانس قیام عمل میں آیا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس Liberal Democracy کو 1900ء تک یعنی انقلابِ فرانس کے 100 سال تک بقیہ دنیا میں کوئی خاص پذیرائی حاصل نہیں ہوئی اور 1900ء تک کل تین ہی ممالک یعنی امریکہ، برطانیہ اور فرانس ان جمہوری اصولوں پر قائم تھے۔ ''جمہوریت'' کو اصل فروغ پہلی جنگ عظیم اور خلافت عثمانیہ کے خاتمے اور خصوصاً جنگ عظیم دوم کے بعد حاصل ہوا۔ اگر جمہوریت کی تاریخ اور سفر کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہے کہ یہ ہمیشہ جنگوں اور خانہ جنگی کے بعد (Colonolization) اور اقتصادی بحرانوں کے نتیجے میں ہی نافذ ہوئی۔ جیسے جنگ عظیم اول کے بعد آسٹریا، ہنگری اور ترکی وغیرہ میں، جنگ عظیم دوم کے بعد جرمنی اور جاپان میں، ''کلو نائیزیشن'' کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں، اقتصادی بحرانوں کے بعد روس اور ایسٹ یورپ میں۔

موجودہ دور میں ہم نے دیکھا کہ 2001ء میں ڈیڑھ مہینے کی شدید بمباری کے بعد میں افغانستان اور پھر 2003ء میں اسی طرح عراق میں جمہوریت نافذ کی گئی اور یوں جمہوریت کے نفاذ کے لئے ہمیں دو خونریز جنگیں دیکھنی پڑیں اور اب مشرق وسطیٰ میں اسی جمہوریت کے نفاذ کے لئے بھی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ پس جان لیجئے کہ کہ موجودہ جمہوریت کبھی بھی جمہوری اصولوں پر رائج نہیں ہوئی۔

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

یہ بھی حقیقت ہے کہ اس جمہوریت کو فروغ دینے کے لئے ہمیشہ سے ہی مذہب اباحیت، دین کے منکر، مذہب اور دین کو جدا کرنے والے اور سودی کاروبار کو فروغ دینے والے بنے۔ لہٰذا انفاذ اور استحکام جمہوریت کے نتیجے میں ہمیشہ دین مغلوب، مذہب سے دوری، اخلاقی انحطاط اور سودی کاروبار کو استحکام اور فروغ ملا اور آج پاکستان میں بھی جمہوری دانشوروں اور علمبردار طبقے میں زیادہ تر یہی لوگ نظر آئیں گے۔

نظام جمہوریت کے اجزائے ترکیبی

جیسا کہ یہ واضح ہو چکا کہ جمہوریت دراصل ”لوگوں کی اطاعت اور حکمرانی“ کا نام ہے لہٰذا اس ضمن میں سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ اس جمہوریت کے تحت وجود میں آنے والا نظام، کن عناصر کے باہمی تعامل سے وجود میں آتا ہے:

(۱) ریاست(State):

لبرل ڈیموکریسی Liberal Democracy کے نظریہ کے تحت تاریخی تجربوں، جغرافیائی سرحدوں، مشترک زبان، نسلی قربت اور ثقافت کی بنیاد پر موجودہ ”مغربی قومیت“ کے تصور سامنے آیا چنانچہ اس کے نتیجے میں ایک حکومت، سیاسی آزادی اور خودارادیت کے ذریعے ”خود مختاری“(Sovereignty) کی تشکیل ہوئی اور پھر مغربی قومیت اور خودمختاری سے مل کر ”قوم“(Nation) کا تصور بنا۔ اسی طرح ”مارکس ازم“(Marxism) نظریہ اشتراکیت اور سرمایہ داری نے طبقاتی کشمکش(Class War) کے نظریات دیئے اور LiberalDemocracy کے نظریہ کے تحت ”قومیت“ اور ” طبقاتی کشمکش“ کے باہمی تعامل سے Nation State کا تصور یعنی ”وطن“ کا تصور سامنے آیا اور آج مشرق و مغرب میں یہی تصور پورے آب و تاب کے ساتھ رائج ہے۔

(۲) تقسیم الحکم / امر:

Liberal Democracy کے اصول کے تحت اس کو تقسیم کیا گیا لہذا ”الحکم“ کی جگہ ” تثلیثِ حکم“ قائم کی گئی۔ یعنی

- مقننہ
- عدلیہ
- انتظامیہ

اور ان تینوں کو خود مختار قرار دیا گیا۔

(۳) مساوات مذہب:

نظام جمہوریت میں تمام عقائد کے ماننے والوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تبلیغ وترویج صرف مذہب یعنی فرد کے انفرادی معاملات کی حد تک ہو۔

(۴) حکومت اور مذہب کی علیحدگی:

نظام جمہوریت کا ایک اہم جز میں یہ ہے کہ نظام حکومت سے مذہب کا کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔

(۵) سیاسی مساوات:

نظام جمہوریت کا ایک اہم عنصر یہ بھی ہے کہ اس میں عام شہری کے سیاسی حقوق مساوی ہوتے ہیں، جیسے عورت / مرد اور مسلم / غیر مسلم کے سیاسی حقوق یکساں قرار پاتے ہیں۔

(۶) آزاد انتخابات:

نظام جمہوریت کا ایک بنیادی جز ''آزاد انتخاب'' کا اصول بھی ہے جس کو ہم ''مادر پدر آزاد انتخاب'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ جس میں تمام معاشرتی اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا جاتا ہے۔ اپنی جماعت کے امیدوار کو ''فرشتہ'' اور مخالف امیدوار کو ''شیطان'' قرار دیا جاتا ہے۔

(۷) تصور نمائندگی:

نظام جمہوریت کے ایک بنیادی عنصر صائب الرائے لوگوں کو اہمیت دینے کے بجائے صرف اپنے لوگوں کے حق میں فیصلہ دینا ہے چاہے وہ کسی بھی کردار اور شخصیت کا حامل ہو۔

(۸) اکثریت کی اطاعت:

نظام جمہوریت کا سب سے بنیادی عنصر ''اکثریت کی اطاعت'' ہے جس پر اس کی نظام کی پوری امارت کھڑی ہے۔

(۹) جمہوریت اور سرمایہ کا گٹھ جوڑ:

جمہوریت کی ابتداء ہی فساد(Corruption)سے ہوتی ہے۔انتخابی مہم میں جس طرح پیسہ بہایا جاتا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔امریکہ کے صدارتی انتخاب کا معاملہ اس کی بہترین تصویر ہے ۔جس میں بڑے بڑے بینکرز اور انویسٹر اس میں ملین آف ملین ڈالر لگاتے ہیں اور بعد میں اس کا فائدہ ''ٹھیکوں''کی صورت میں بلین آف بلین ڈالر کماتے ہیں۔

[فصل دوم]

اسلام اور جمہوریت

اسلام "الدین" ہے:

اس سے پہلے کہ ہم جمہوریت اور اس کے اجزائے ترکیبی کو قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھیں۔ اس سے پہلے ہم اسلام، جس کو قرآن نے "دین اسلام" قرار دیا:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک "دین" صرف اسلام ہے"۔

(آل عمران:۱۹)

اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کے "دین" ہونے کے کیا معنی ہیں؟ قرآن کریم میں "دین" چار معانی میں استعمال ہوا:

(۱) بدلہ...... ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ (الفاتحۃ:۳) "وہ بدلہ کے دن کا مالک ہے"۔

(۲) قانون...... ﴿دِينِ الْمَلِكِ﴾ (یوسف:۷۶) "بادشاہ کا قانون"۔

(۳) نظام...... ﴿إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ﴾ (المومن:۲۶) "مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے نظام کو نہ بدل دے"۔

(۴) اطاعت ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾(الزمر:۳)"خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص اطاعت کرنا"۔

اور ان چاروں معانی میں ایک باہمی ربط ہے۔ ہر اچھے اور برے اعمال کا بدلہ ملنا چاہیے، اور یہ بدلہ کسی قانون کے تحت دیا جاتا ہے، اور قانون کسی نہ کسی نظام کے تحت ہوتا ہے یا اس کا عکاس ہوتا ہے، اور نظام وہی ہوتا ہے جس کی جزوی نہیں بلکہ مکمل اطاعت کی جائے۔ اس لئے قرآن کریم نے اسلام کے لئے "دین" (A Deen) کا لفظ نہیں بلکہ "الدین" (The Deen) کا لفظ استعمال کیا۔ یعنی اس نظام کے آنے کے بعد جس کو اللہ تعالیٰ نے "کامل دین" قرار دیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾
"آج کے دن ہم نے تمہارے لئے دین (نظام) کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا"۔

(المائدۃ:۳)

اب اس کے بعد زندگی کے کسی بھی معاملے میں چاہے وہ عبادات سے متعلق ہو یا انسان کے بود و باش سے متعلق، انسان کی انفرادی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی معاملات مثلاً نظام معیشت، نظام معاشرت اور سب سے بڑھ کر نظام سیاست سے متعلق ہو، دین اسلام کے علاوہ کسی اور "دین" یعنی نظام سے کوئی رہنمائی لے گا یا اس کے کسی عنصر کو اپنانے کی کوشش کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والا ہو گا۔

اب ہم جمہوریت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جمہوریت میں دراصل "حاکمیت" کا حق عوام کو حاصل ہوتا ہے اور ان کا ہر حکم قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا وہ حاکمیت جو فرعون اور اس جیسے دوسرے بادشاہ "دعوائے حاکمیت" کی صورت میں کرتے تھے اب وہ حاکمیت کا دعویٰ "عوام کی

حاکمیت"(Sovereignty of the people) کی صورت میں تبدیل ہو چکا ہے۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ پہلے ایک بادشاہ گندگی کا ایک ٹوکرا "دعوائے حاکمیت" کی صورت میں اپنے سر پر لئے بیٹھا ہوتا تھا جیسے فرعون نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ:

﴿یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ﴾

"لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے (قبضے میں) نہیں بہہ رہی ہیں......؟"

(سورۃ الزخرف :۵۱)

اب وہ گندگی اور غلاظت "عوام کی حاکمیت" کی صورت میں تولہ تولہ، ماشہ ماشہ ایک ایک ووٹ کی صورت میں پوری عوام میں بانٹ دی گئی۔ چناچہ علامہ اقبال اپنی نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں جمہوریت کے حوالے سے شیطان کی حکمتِ عملی کو اپنے الفاظ کے پیرائے میں یوں بیان کرتے ہیں:

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس

جب ذرا آدم ہوا خود شناس و خود نگر

چنانچہ عوام کی حاکمیت کی صورت میں عوام کے منتخب نمائندے قانون سازی میں بااختیار ہوتے ہیں۔منتخب نمائندوں کی اکثریت جو قانون چاہے بنا سکتی ہے۔اب چاہے امریکہ کی پارلیمنٹ کی اکثریت شراب کو حلال کر دے، چاہے برطانیہ کی پارلیمنٹ کی اکثریت Homosextuality یعنی "مرد کی مرد سے شادی" اور "عورت کی عورت سے شادی" جائز ہونے کا بل تالیوں کی گونج میں پاس کر دے یا چاہے پاکستان کی پارلیمنٹ کی اکثریت "حدود اللہ" جو کہ قرآن و سنت میں نصِ قطعی سے ثابت ہیں، اُس میں یکسر تبدیلی کر کے شریعت کی دھجیاں بکھیر دے، یہ اختیار ان کو حاصل ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اسلامی نظام میں حکومت اور قانون سازی کا اختیار صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہی ''اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ'' ہے اور پوری انسانیت اسی کی محکوم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾

''حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کا ہے''۔

(سورۃ یوسف:۴۰)

﴿وَّلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا﴾

''اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اپنے حکم کے اختیار میں کسی کو شریک کرتا ہے''۔

(سورۃ الکہف:۲۶)

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اسی طرح اسلامی حکومت میں خلیفۃ المسلمین اللہ کا نائب ہوتا ہے اور وہ قرآن وسنت کے مطابق حکومت کرتا ہے اور کسی بھی معاملے میں قانون کی تشریح وہ ''شوریٰ'' (وہ لوگ جو قرآن وحدیث کا گہرا علم رکھنے والے ہوں ان کے مشورہ) کے ذریعے قرآن وحدیث کے دیئے ہوئے دائرے کے اندر رہتے ہوئے کرتا ہے گویا وہ مطلق العنان غیر محدود اختیارات کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (کے مقرر کردہ حدود) سے آگے نہ بڑھو۔ اور (اس معاملے میں) اللہ کی نافرمانی سے بچو''۔

(سورۃ الحجرات:۱)

اس کے برعکس آج کا جمہوری نظام جو دراصل "طاغوت" ہے، اس میں اس بات کی کوئی قید نہیں کہ قانون سازی کرنے والے کون ہیں؟؟ اور اُن کا قرآن وحدیث کے بارے میں علم کتنا ہے؟؟ وہ کس سیرت و کردار کے حامل ہیں؟؟ اور وہ کن اصولوں اور بنیادوں پر قانون سازی کر رہے ہیں؟؟ بس اصول ایک ہے، وہ یہ کہ عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کی اکثریت نے یہ قانون پاس کیا ہے اور بس!!

اسی طرح جمہوریت کی ایک تعریف "اکثریت کی اطاعت" بھی قرآن وحدیث سے متصادم ہے ۔کیونکہ قرآن نے ہمیں واضح طور پر صرف اللہ اور اس کے رسول اور شریعت کے دائرے میں اپنے اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے نہ کہ اکثریت کی اطاعت کرنے کا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں"۔

(سورۃ النسآء:۵۹)

دراصل جمہوری نظام کا خاصہ یہ ہے کہ اس کفریہ نظام میں عوام کی غالب اکثریت کی رائے کو معیارِ حق تسلیم کیا گیا ہے یعنی عوام کی اکثریت کی جو رائے ہے وہی حق ہے۔ اس کے برعکس قرآن نے واضح طور پر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ:

﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾

"اور (اے نبی ﷺ) آپ اگر کہا مانیں گے اس اکثریت کا جو زمین میں بستی ہے تو وہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے سے ہٹا دیں گے"۔

(سورۃ الاعراف:۱۱٦)

اس بات سے یہ ثابت ہو گیا کہ خلافت اور جمہوریت دو متصادم نظام ہیں۔ اسلام کی رو سے اللہ کے علاوہ کسی اور کو حاکمِ حقیقی سمجھنا اور اسے قانون سازی کا حق دینا سراسر گمراہی اور کفر و شرک ہے۔ الغرض جمہوریت کی بنیاد غیر اسلامی نظریہ پر قائم ہے اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نظامِ جمہوریت قرآن و سنت کی روشنی میں

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ادیان کفر میں سے ہر ایک ایسے نظام و منہج پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ سراسر اسلام کے خلاف اور اس کی ضد ہے۔ اس میں کمیونزم، سوشل ازم، سیکولر ازم اور مشنریز وغیرہ جیسے جتنے نئے نظام واصول سب شامل ہیں۔ لوگ ان کو اپنے پراگندہ خیالات سے تشکیل دیتے ہیں اور پھر بطور دین انہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ ''دین جمہوریت'' بھی اس میں شامل ہے کیونکہ یہ بھی اللہ کے دین کے سوا ایک دین ہے۔ اس نئے دین میں جس کے فتنے میں اکثر لوگ بلکہ اکثر مسلمان مبتلا ہیں۔ اس گمراہی کو واضح کرنے کے لئے چند بنیادی باتیں پیش خدمت ہیں تاکہ آپ یقین کر لیں کہ ''جمہوریت'' ملت توحید سے الگ ایک مستقل دین اور صراط مستقیم سے الگ ایک مستقل راستہ ہے، جس کے دروازے پر شیطان بیٹھا ہے جو کہ جہنم کی طرف داعی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اہل ایمان اس سے اجتناب کریں اور اس سے اجتناب کی دعوت دیں مومنوں کی یاد دہانی، غافلوں کی بیداری، ضدی سرکشوں پر اقامت حجت اور رب العالمین کے ہاں عذر خواہی کے لئے۔ کیونکہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

''اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے کبھی قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا''۔

(آل عمران: ۸۵)

① وطن:

جمہوری نظام میں ایک نمایاں جزو"وطن"کا تصور ہے جو کہ تاریخی ،جغرافیائی،نسلی،قومی یا ثقافتی(Culture)وغیرہ کی بنیادوں پر وجود میں آتے ہیں۔اور جب ان بنیادوں پر یہ وطن وجود میں آتے ہیں تو پھر از خود"خود مختاری" کا تصور بھی جنم لیتا ہے کہ ہر ملک آزاد ہے اور وہ اپنے معاملات طے کرنے میں خود مختار ہے۔یوں"نیشن اسٹیٹ"(Nation State)کا تصور سامنے آتا ہے۔لیکن اسلام ان تمام تصورات کی نفی کرتا ہے جو قومی،نسلی اور تعصب کی بنیاد پر ہوں۔اسلام پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند جوڑتا ہے اور انہیں ایک امت قرار دیتا ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾

"تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں(کی بھلائی)کے لئے نکالا گیا ہے"۔

(سورۃ ال عمران:۱۱۰)

یہی وہ"وطن"کا شرکیہ تصور ہے جس نے آج پوری امتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے قومی، نسلی ،لسانی اور جغرافیائی لحاظ سے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔علامہ اقبال اسی تصور کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن ہے اس کا وہ مذہب کا کفن ہے

اس کے برعکس بقول علامہ اقبال،اسلام کا تصور یہ ہے کہ:

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

② تقسیم الحکم /امر:(Division of Authority)

اسلام میں "الحکم "یا"امر"شرعی اعتبار سے قابل ایک صالح خلیفہ کے گرد گھومتا ہے۔مختلف معاملات میں مشورہ کے لئے صائب الرائے افراد پر مشتمل شوریٰ تو ہوتی ہے مگر خلیفہ کے پاس اصل ختیارات ہوتے ہیں لیکن Liberal Democracyکے اصول کے تحت اس کو تقسیم کر دیا گیا۔لہٰذا "الحکم "کی جگہ "تثلیثِ حکم "قائم کی گئی اور ان تینوں کو خود مختار قرار دیا گیا۔جس کو آج ہمارے ہاں ریاست کے "تین ستون"کانام دیا جاتا ہے:

- مقننہ
- عدلیہ
- انتظامیہ

اسی خباثت کے پھیل جانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((لتنتقضن عرى الاسلام عروة عروة فكلماانتقضت عروة تشبت الناس بالتى تليها فأولهن نقضاًالحكم وآخرهن الصلاة))

"جب دین میں کوئی ایک چیز ٹوٹ جائے گی تولوگ بقیہ چیزوں پر قناعت کرلیں گے،یہاں تک کہ آخری چیز بھی ٹوٹ جائے گی۔پھر جو چیز سب سے پہلے ٹوٹے گی وہ "الحکم "ہو گی اور سب سے آخر میں ٹوٹنے والی چیز "الصّلوۃ"(یعنی نماز)ہو گی"۔

(شعب الايمان ج:٤ص:٣٢٦۔المعجم الكبير ج:٨ص:٩٨صحيح ابن حبان)

لہٰذا المیہ یہ ہے کہ آج "خلافت "کا خاتمہ نہیں بلکہ "فلسفۂ خلافت "کو بھی بھلا دیا گیااور اسی کا مظہر ہم نے افغانستان میں دیکھا کہ طالبان کے اسی نظریہ خلافت کی وجہ سے ان کی حکومت اور ملا عمر حفظہ اللہ کاوجود کفریہ طاقتوں کو برداشت نہیں تھا۔

③ حکومت اور مذہب کی علیحدگی:

نظام جمہوریت کی بنیادی عناصر میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اس میں حکومت اور مذہب کا باہمی تعلق ختم کر دیا جاتا ہے۔یعنی مذہب کو ریاست اور اس کے قوانین و معاملات میں کسی عمل دخل کی اجازت نہیں ہوتی اور جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ:

جدا ہو دین سے سیاست، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

چنانچہ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الاان رحاالاسلام دائرة فدوروا مع الکتاب الا ان الکتاب والسلطان سفترقان فلاتفارقواالکتاب))

"اسلام کی چکی گردش میں ہے تو جدھر قرآن کا رخ ہو اسی طرف تم بھی گھوم جاؤ، ہوشیار رہو! قرآن اور اقتدار عنقریب الگ الگ ہو جائیں گے (خبردار) قرآن کو نہ چھوڑنا"۔

(معجم طبرانی کبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ)

④ مذہبی مساوات:

اسی طرح آزاد جمہوری نظام(Liberal Democracy)میں مذہبی مساوات بھی ہوتی ہے۔جس میں ہر مذہب کو اپنے اپنے عقائد کی تبلیغ کی کھلی اجازت ہوتی ہے۔جبکہ اسلامی نظام میں سوائے اسلام کے ہر مذہب کو چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے اپنے مذہب اور عقائد کی تبلیغ کی اجازت ہوتی ہے۔ اسلام اس کی ہر گز اجازت نہیں دے سکتا کہ مشرکانہ اور باطل عقائد کی کھلم کھلا تبلیغ کی اجازت دی جائے اور لاکھوں لوگوں کو مرتد اور اسلام سے متنفر کر دیا جائے۔ جس کی مثال خود ہمارے ملک میں موجود ہے کہ عیسائی اور قادیانی مشنریز کے ذریعے کس طرح ہر سال ہزاروں مسلمان اسلام کی نعمتِ عظیم سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور مرتد ہو جاتے ہیں۔چنانچہ اس لحاظ سے بھی جمہوریت اور اسلام ایک دوسری کی ضد ہیں، جن کا دور تک کوئی تعلق اور نسبت نہیں۔

⑤ سیاسی مساوات:

اسی طرح جمہوری نظام میں منتخب عوامی نمائندوں کی اکثریت کی رائے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور ان کی رائے کو قانون کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے، چاہے یہ رائے شریعت کے مطابق ہو یا شریعت کے خلاف ہو اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح جمہوریت میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تعلیم سے نابلد، عالم اور جاہل، ماہر فن اور فن سے نابلد، چوکیدار، کلرک، صحافی، ماہر نفسیات، ماہر سیاسیات، پروفیسر، معیشت دان، تاجر، مزدور، عورت، مرد حتیٰ کہ مسلم اور غیر مسلم کی حیثیت برابر اور ان کی رائے اور ووٹ کا ایک ہی درجہ اور مقام ہوتا ہے۔ یہ بات نہ صرف خلافِ اسلام بلکہ سراسر خلافِ عقل ودانش ہے۔ ہر شخص نہ تو ایک جیسی عقل وذہانت کا مالک ہوتا ہے اور نہ ایک جیسی صلاحیت رکھتا ہے، اسی لئے ان کی آراء اور افکار و نظریات میں بھی واضح فرق ہوتا ہے۔ اسلام نے اس فرق کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ واضح کر دیا ہے کہ صاحبِ علم اور جاہل ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

”آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔ بے شک اس میں اہل عقل کے لئے نصیحت ہے“۔

(سورۃ الزمر:۹)

دراصل حکومت اور ملکی نظم ونسق کو چلانے کے لئے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی بنسبت زیادہ صلاحیت واستعداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اَن پڑھ اور جاہل عوام جنہیں سیاسیات کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں ہوتی وہ نظامِ حکومت کو چلانے کے مستحق کیسے قرار پا سکتے ہیں؟ نیز جب انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ملکی معاملات اور نظم ونسق کو کیسے چلایا جاتا ہے تو انہیں یہ کیسے معلوم ہو گا کہ فلاں شخص ملکی نظم ونسق چلانے کا زیادہ مستحق ہے۔ لہٰذا وہ صحیح اور باصلاحیت افراد کو بھی بطور نمائندہ منتخب کرنے

سے قاصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اوپر ذکر کردہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۱۶ کے اگلے حصہ میں انسانوں کی عظیم اکثریت کی ذہنی ناپختگی کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں واضح کیا:

﴿إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾

"وہ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور وہ نہیں لگاتے مگر صرف تخمینے۔"

(الاعراف:۱۱۶)

بقول علامہ اقبال رحمہ اللہ کہ:

اس راز کو ایک مردِ فرنگی نے کیا فاش

ہر چند کے دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

⑥ عوام کو کلی اختیار دینا

جمہوری نظام کی بنیادی فکر "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے" اسلامی فکر سے بالکل متصادم ہے۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے نام پر عوام سے ووٹ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ عوام کے قانون سازی اور حکومت کے حق کو تسلیم کیا جارہا ہے اور انہیں یہ اختیار دیا جارہا ہے کہ وہ اسلام کو قبول کریں یا اس کے بالمقابل و متصادم باطل نظام کو۔ عوام کو اس بات کا حق دینا اور ان کے اس حق کو تسلیم کرنا "صریح کفر" اور اللہ کی حاکمیت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔

⑦ اکثریت رکھنے والی جماعت کے قانون سازی کے حق کو تسلیم کرنا

پارلیمنٹ میں اکثریت رکھنے ولی سیاسی جماعت کو قانون سازی کا حق ہوتا ہے۔جب تک دینی سیاسی جماعت کو اکثریت حاصل نہیں ہوتی، تب تک وہ قانون سازی نہیں کر سکتی ۔جب تک دینی سیاسی جماعت اقلیت میں رہتی ہے،اس وقت تک مقابل اکثریت کے قانون سازی کے حق کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اسلام سے متصادم قانون سازی اور پالیسیاں بنا سکتی ہے۔حالانکہ ان کا یہ حق تسلیم کرنا بھی سراسر "کفر و شرک" ہے۔

﴿اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ۚ وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ﴾

"کیا ان کے لئے ایسے شرکاءہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کے وہ قانون بنائے جس کی اللہ نے اجازت نہ دی اور اگر کلمہ فصل نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا"۔

(الشوریٰ:۲۱)

⑧ اقتدار میں آنے والی جماعت کا پانچ سال بعد دستبردار ہو جانا

انتخابات میں اکثریت حاصل کر کے اقتدار میں آنے والی جماعت کو پانچ سال تک حکومت کرنے کا حق ہے۔ اقتدار میں آنے والی جماعت کو یہ شرط قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے کیونکہ یہ کفریہ جمہوری نظام کا بنیادی اصول ہے۔ بالفرض اگر جمہوری طریقے سے کسی دینی سیاسی جماعت کا اقتدار قائم ہو جاتا ہے اور وہ اسلامی نظام بھی نافذ کر دیتی ہے (جو کہ محال ہے) تو اسلامی نظام کا نفاذ پانچ سال تک کے لئے ہوگا، جس کے بعد اس جماعت کو اقتدار سے دستبردار ہونا پڑے گا جو کہ اجماع کے خلاف ہے کیونکہ خلیفہ (جب تک اہل ہے) تاحیات حکمران ہوتا ہے، نیز یہ اصول اسلامی احکامات کے بھی صریح خلاف ہے کیونکہ شریعت کی بالادستی اسلامی نظام کا بنیادی اصول ہے۔ پانچ سال بعد اقتدار سے دستبردار ہونے کا مطلب عوام کو پھر سے اسلامی نظام یا باطل نظام کے انتخاب کا حق دینا ہے۔ نیز یہ کہ باطل نظام

اور اس کی حامل سیکولر جماعتوں کو دوبارہ سے بر سرِ اقتدار آنے موقع فراہم کرتا ہے، جو کسی صورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو قبول نہیں۔

⑨ ریاست تک محدود رہنا

جمہوری طریقے سے بر سرِ اقتدار آنے والی دین کا نام لیوا جماعت اگر اسلامی نظام نافذ بھی کر دے تو کیا وہ ایک خالص اسلامی ریاست کے تقاضے پورے کرے گی؟ جمہوری طریقے سے اقتدار پر براجمان ہونے والی جماعت جمہوری اصول وضوابط کی نہ صرف قائل بلکہ اس پر عمل پیرا ہوتی ہے، تو ایسی کوئی جماعت کیا اسلامی ریاست کے سب سے اہم فریضہ "دعوت واقدامی جہاد" کو سر انجام دے سکے گی؟ جبکہ بین الاقوامی طور پر مسلمہ جمہوری اصول قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ان کی رو سے اپنی ریاست تک محدود رہنا اور وہ ممالک جو مسلمانوں پر ظلم وستم توڑنے والے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا بھی استہزا اور مذاق اڑانے والے ہوں، ان سے بھی امن وسلامتی اور تعاونِ باہمی پر مبنی خوشگوار تعلقات قائم رکھنا ضروری ہیں اور اس اصول سے روگردانی کرنیوالی جماعت یا حکومت جمہوریت کے اصول و قواعد کے مطابق قابل گرفت اور قابل سزا ہوتی ہے۔

⑩ انتخابی سیاست

جمہوری اصطلاح میں "پولیٹکس" (Politics) دراصل یونانی لفظ "(چہرہ)tica +(کئی)poli" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہی "کئی چہروں والا"۔ دور حاضر میں یہی وہ انتخابی سیاست ہے جہاں سے منافقانہ طرزِ عمل وجود میں آتا ہے کہ کل جس شخص یا پارٹی کی برائی بیان کی جاتی ہے یا اس کے خلاف دھرنا دیا جاتا ہے تو آج اسی شخص یا پارٹی سے انتخابی سیاست کے نام پر اتحاد کرنے میں کوئی مضائقہ بھی محسوس نہیں کیا جاتا۔ پھر اسی انتخابی سیاست کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہمیشہ اپنی پارٹی یا اپنی قوم کے مفادات کی بات کی جاتی ہے، اگرچہ غلط ہی کیوں نہ ہو اور اپنے مخالف کی ہر بات کو

غلط قرار دیا جاتا ہے اگرچہ وہ مبنی بر حق ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس قرآن جو ہمیں طرزِ عمل بتاتا ہے وہ بالکل مختلف ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، کھڑے ہو جاؤ عدل کے علمبردار بن کر اللہ کے لئے گواہ بنتے ہوئے، خواہ (یہ گواہی) تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو یا خواہ یہ والدین کے خلاف کیوں نہ ہو اور خواہ قرابت داروں کے خلاف کیوں نہ ہو"۔

(سورۃالنسآء:۱۳۵)

⑪ لادین جماعتوں کے ساتھ اشتراکِ عمل

انتخابی سیاست میں شرکت کرکے اقتدار میں آنے کا ایک لازمی نتیجہ غیر اسلامی بلکہ لادین تحریکوں کے ساتھ اتحاد کی صورت میں نکلتا ہے۔ اتحاد میں شریک مختلف نظریات و مقاصد کی حامل جماعتوں کے اپنے اپنے مفادات ہوتے ہیں۔ اگرچہ وقتی طور پر ایک خاص ایشو پر اتحاد ہو جاتا ہے لیکن کوئی جماعت اپنے اساسی اصول و نظریات ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی بلکہ بعض جماعتیں تو الٹا اسلام نظام اور اس کی سزاؤں کو وحشیانہ اور خلافت کے نظام کو دقیانوسی نظام گردان کر اس کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں۔ چنانچہ غیر اسلامی اور لادینی جماعتوں کے ساتھ اتحاد (ممکن ہے اس وقت یہی چیز وقت کا تقاضہ ہو یا مجبوری ہو) کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ یہی جماعتیں اسلامی نظام کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن کر سامنے آئیں اور انہوں نے اسلامی دستور اور آئین کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

”آپ فرما دیجئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتے، گو آپ کو خبیث (چیز) کی کثرت کتنی بھلی لگتی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اے عقل مندوں !(اس بات کو سمجھو) ۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ“۔

(سورۃ الانعام :۱۰۰)

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾
” اور (دیکھو) حق اور باطل کو مت ملاؤ“۔

(سورۃ البقرۃ:۴۲)

چنانچہ ہوا یہ کہ لادینی جماعتوں کے ساتھ اتحاد سے اسلامی نظام کا نفاذ تو ممکن نہیں ہوا لیکن ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ان کی بعض کمزوریاں، خامیاں بلکہ برائیاں دینی جماعتوں کے نظم میں بھی گھس آئیں۔

⑫ انتخابی مہم چلانے کے لئے پانی کی طرح پیسہ بہانا

انتخابی مہم چلانے کے لئے لاکھوں کروڑوں روپے درکار ہوتے ہیں اور اتنی بڑی رقم جاگیر دار اور لوٹ کھسوٹ کا مال بٹورنے والے ہی فراہم کر سکتے ہیں۔ ایک عام آدمی جس کے گھر کا نان نفقہ ہی مشکل سے پورا ہوتا ہو بھلا وہ کیسے انتخابات میں حصہ لے سکتا ہے؟ انتخابات میں شرکت تو در کنار اسے انتخابات سے کوئی دلچسپی اور سروکار نہیں ہوتی اسے تو بس یہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ وہ شام کو گھر کا چولہا کیسے جلائے گا۔ اسی طرح وہ افراد اور گروہ جن کا تعلق مذکورہ طبقے سے نہیں ہوتا وہ انتخابات میں شرکت کی احمقانہ سوچ سے بھی دور رہتا ہے۔ اگر کوئی آدمی جمہوریت کے خوش کن نعروں سے متاثر ہو کر مذکورہ طبقے کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہوتا بھی ہے تو اس کا جو حشر ہوتا ہے وہ کم از کم پاکستان کی عوام سے پوشیدہ نہیں۔ ایسا آدمی تو اپنی آئندہ آنے والی نسل کے لئے بھی وصیت کر کے جاتا ہے کہ وہ ان چکروں میں پڑنے کی حماقت کبھی نہ کریں۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہماری دینی سیاسی جماعتوں کے لئے

انتخابی سیاست میں شرکت کس قدر مشکل ہے۔ کیا وہ انتخابی سیاست میں مذکورہ طبقے کا مقابلہ کر سکتی اور کارکنوں کے انفاق فی سبیل اللہ کو انتخابی مہم چلانے کے لئے پانی کی طرح بہا سکتی ہے؟ اگر وہ ایسا کریں تو شرعاً واخلاقاً اس کی کیا حیثیت ہو گی؟ کیا اس پر بھی کبھی غور کیا گیا ہے؟؟

⑬ امیدوار بننا

انتخابی مہم کے دوران امیدوار انتخاب جیتنے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقے اور ذرائع کے استعمال کو روا رکھنے پڑتے ہیں۔ دھوکہ فراڈ، دھاندلی، فریق مخالف پر جھوٹے الزامات، خلافِ حقیقت پروپیگنڈہ اور ووٹروں سے جھوٹے وعدے کرنا انتخابی سیاست کا لازمی حصہ ہے۔ الغرض اخلاقیات کا اس میں جنازہ نکل جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ آپ اقتدار کے حصول کے لئے اپنی تعریف اور کارناموں پر خود ہی قلابیں ملائیں اور اس کے پوسٹر اور بینر لگائیں اور اسے عدسی شیشوں سے بڑا کر کے دکھائیں جبکہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو اشخاص آئے اور کہا کہ اللہ نے آپ کو جن علاقوں پر حاکم بنایا ہے، اُن میں سے کسی علاقے پر ہمیں بھی گورنر بنادیں۔ اس پر رسول ﷺ نے اُن کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((وَاللّٰہِ لَا نُوَلِّیْ ھٰذَا الْعَمَلَ اَحَداً سَاَلَہٗ، اَوْ اَحَداً حَرَصَ عَلَیْہِ))

" اللہ کی قسم! ہم اس آدمی کو کوئی عہدہ حوالے نہیں کرتے جو اُس کا سوال کرے یا اُس کی لالچ رکھے۔"

(بخاری، مسلم بروایت عن موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ)

اور پھر کیا اسلام اس بات کی بھی اجازت دے سکتا ہے کہ آپ اپنے انتخابی جلسوں میں اپنے مخالف پر بے جا تنقید کریں اور ان پر کیچڑ اچھالیں اور ان کو برا بھلا کہیں۔ تو سوچنے کا پہلو یہ ہے کہ کیا ہماری سیاسی دینی جماعتیں اقتدار میں آنے کے لئے ایسی جمہوری روایات کو جس میں اسلامی تعلیمات کے برخلاف عمل کیا جاتا ہے، اس کو اپنائے بغیر انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکیں گی......؟؟

⑭ اسلام جمہوری طریقے سے نافذ کرنا

ہر نظام کی ایک اساسی فکر ہوتی ہے اور اس نظام کو نافذ کرنے کے لئے "طریقہ کار" اسی فکر سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس فکر کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ جمہوری نظام کا اساسی فکر سیکولرازم ہے اوراسی فکر سے ماخوذ طریقہ انتخابات ہیں، جو اسی فکر کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح نظامِ خلافت کا اساسی فکر اسلام ہے۔ اس نظام تک پہنچنے کا طریقہ بھی اسلام نے "دعوت وجہاد" بتلایا ہے جو اسلام کے ساتھ خاص ہے۔ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ انتخابات کے ذریعے نظامِ جمہوریت تک پہنچا جاسکتا ہے نہ کہ نظامِ خلافت تک۔ اسلامی نظام اپنی اصل اور مکمل شکل وصورت کے ساتھ اسلامی طریقہ سے ہی آسکتا ہے۔ اس میں دوسرے باطل نظاموں کی پیوند کاری کرنا اور انہی باطل نظاموں کے باطل طریقوں سے قائم کرنے کی کوشش کرنا غیر فطری اور خلافِ عقل بھی ہے اور خلاف شریعت بھی۔

جمہوریت کی اصل حقیقت

ان تمام حقائق سے واضح ہوا کہ جمہوریت دراصل ایک نیا "کفری دین" ہے۔ جمہوریت، لادینیت یا سیکولرازم کی ناجائز اور غیر قانونی باندی ہے اور سیکولرازم وہ نظریہ ہے جو زندگی اور ریاست وحکومت سے دین کو نکال باہر کرتا ہے۔ جمہوریت اللہ کے قانون محکم کا بالکل اعتبار نہیں کرتی، سوائے یہ کہ اللہ کا وہ قانون جو آئین و دستور کے تابع ہوجائے یا پھر عوامی خواہشات کے اور ان سب سے پہلے وہ "طاغوت" یا "سربراہ طبقے" کی ترجیحات واغراض کے عین مطابق ہوجائے۔ لہٰذا جمہوریت اللہ کے دین کے مدمقابل ایک مستقل دین ہے۔ جس میں طاغوت کی حکمرانی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی اور جھوٹے معبودانِ متفرقہ کی شریعت ہے نہ کہ اللہ واحد وقہار کی۔ مخلوق میں سے جو بھی اسے اختیار کرے یا اس کی موافقت کرے تو درحقیقت وہ اپنے لئے اللہ واحد قہار کے قانون کے مدمقابل قانون سازی کے حق کو قبول کررہا ہے۔ چنانچہ اب وہ اسے قبول کرنے کے بعد قانون سازی میں شریک ہو یا نہ ہو اور ان شرکیہ انتخابات میں جیتے یا ہار جائے۔ اس کا "دین" جمہوریت کے مطابق ان میں حصہ لینا یا حصہ لینے

والوں کی موافقت کرنا اور اپنے لئے قانون سازی کو قبول کرنا اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو اللہ کی کتاب و قانون پر مقدم کئے جانے کو قبول کرلینا ہی "عین کفر" ہے اور واضح گمراہی ہے بلکہ معبود حقیقی سے ٹکر لے کر اس کے ساتھ "شرک" کرنا ہے۔ لہٰذا عوام کا اپنے لئے عوامی نمائندے مقرر کرنا ایسا ہی جیسے ہر قبیلے اور جماعت نے ان میں سے اپنا ایک رب مقرر کرلیا ہو تاکہ وہ ان کی خواہشات و آراء کے مطابق ان کے لئے قوانین بنائے۔

﴿ اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ۚ وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴾

"کیا ان کے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین سے وہ کچھ قانون قرار دیا جس کی اللہ نے اجازت نہ دی اور اگر کلمہ فصل نہ ہوتا تو ان کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک ظالموں کے دردناک عذاب ہے۔"

(الشوریٰ:۲۱)

چنانچہ جمہوری نمائندے درحقیقت اپنے اپنے بت کدوں (پارلیمنٹس) میں جھوٹے معبودوں کی مانند ہیں جو کہ دین جمہوریت اور دستور کے قانون کے مطابق قانون سازی کرتے ہیں اور اس سے بھی پہلے وہ اپنے رب اور معبود یعنی بادشاہ یا صدر یا سربراہ کا حکم مانتے ہیں جو ان کے قوانین کا فیصلہ کرتا ہے، یعنی ان کی تصدیق یا تردید کرتا ہے۔

درحقیقت جمہوریت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دین کو ریاست کے معاملے سے الگ کر دیتی ہے اور اسی پر اس کے وجود کا دارومدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یورپی اقوام نے اپنی زندگی سے دین کو نکال پھینکا تو اس جمہوریت نے اس کفر کی مٹی میں جنم لیا۔ پھر اس نے شرک و فساد کے کھلیانوں میں نشوونما پائی اور ان کی فضاؤں کو زہریلا کرنا شروع کر دیا اور بالآخر مغرب میں دین کو ریاست سے الگ کر کے رکھ دیا جس کے نتیجے میں اس گندی جمہوریت نے ان کے لئے لواطت و شراب نوشی و جنسی آزادی و دیگر

فواحش کو قانونی حیثیت دی۔ چنانچہ اسلام کے علاوہ دین جمہوریت پر ایمان رکھنے والا ہی یا جاہل بیوقوف اس جمہوریت کے جائز ہونے یا اس کو شوریٰ کے مساوی قرار دے کر اس کا دفاع کر سکتا ہے۔

[فصل سوئم]

دین جمہوریت کے جواز میں پیش کے جانے والے چند شبہات کا ردّ

کچھ دیندار عناصر درج بالا حقائق کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام خباثتیں تو ''مغربی جمہوریت'' کا نتیجہ ہیں اور ہم تو ''اسلامی جمہوریت'' کے قائل ہیں اور اس کے لئے وہ جمہوریت کو ''شریعت کا لبادہ'' اڑھانے کے لئے چند واقعات و احکامات کو توڑ مروڑ کر دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اُن کی اس غلط فہمی کو بھی دور کیا جائے اور اصل حقیقت کو سامنے لایا جائے۔

① جمہوریت کو جائز قرار دینے کے لئے اسے ''شوریٰ'' کا نام دینا

اوّل: بعض عقل کے اندھے اور بصیرت سے کورے اس باطل، کفری اور جمہوری دین کے لئے اہل ایمان بندوں کی صفات سے متعلق ان قرآنی ارشادت سے دلیل لیتے ہیں:

﴿ وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ﴾

''اور ان کا معاملہ باہم مشورہ سے ہوتا ہے''۔

(شوریٰ:۳۸)

﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ﴾

''اور آپ معاملے میں ان سے مشورہ لیں''

(آل عمران:۱۵۹)

اور اس کفری مذہب کو جائز قرار دینے کے لئے اس پر شوریٰ کا ''شرعی لبادہ'' چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''جمہوریت اسلامی شورائیت کی جدید شکل ہے''۔ لیکن جان لیجئے کہ نام بدل

دینے سے چیزوں کے احکام نہیں بدلتے اور نہ ہی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دیا جاتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''میری امت کا ایک گروہ شراب کو ایسے نام سے حلال کرے گا جو خود انہوں نے رکھا ہو گا''۔

(مسند احمد)

اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ سلف و صالحین متفقہ طور پر ایسے لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو توحید کو برا کہے یا اس کی مخالفت کرے یا اسے خارجیت یا تکفیر کہے یا شرک کو اچھا یا جائز سمجھے یا اس کا مرتکب ہو یا اس کا نام بدل کر کچھ اور رکھ دے۔

(ملاحظہ ہو الدرر السنیة فی الاجوبة النجدیة: ۱/۱۴۵)

لہٰذا جمہوریت کو اہل ایمان کے صائب الرائے لوگوں کی شوریٰ پر قیاس کرنا اور مجلس شوریٰ کو کفر و فسق و عصیان کی مجالس کے مشابہ قرار دینا دراصل کذب و باطل ہے کیونکہ قومی یا صوبائی اسمبلی یا پارلیمنٹ کے مراکز دراصل '' شرک کے قلعے'' ہیں جس میں '' جمہوری آلھہ و ارباب'' اور ان کے شرکاء اپنے دستور اور وضعی قوانین کے مطابق لوگوں کے لئے ایسے قوانین بناتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

''کیا بہت سے مختلف رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ غالب تم اس کے سوا ایسے ناموں کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ لیا حالانکہ اللہ نے ان کی دلیل نہیں

اتاری۔ حکم کرنا صرف اللہ کے لئے ہے اس نے حکم دیا کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

(یوسف:۳۹،۴۰)

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾

''کیا ان کے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لئے قوانین کو دین قرار دیا جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا''۔

(الشوریٰ:۲۱)

لہٰذا جمہوریت کو ''شوریٰ'' پر قیاس کر لینا ایسے ہی ہے جیسے شرک کو توحید اور کفر کو ایمان پر قیاس کرنا اور اللہ پر بلا علم جھوٹ باندھنا اور اس کی آیات میں الحاد، حق و باطل اور ظلمت کو خلط ملط کرنا ہے۔ یہ جاننے کے بعد سمجھ لیں کہ شوریٰ جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے قانون کی حیثیت دی اس کے اور گندی جمہوریت کے مابین فرق آسمان و زمین جیسا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جو فرق خالق و مخلوق میں ہے۔ اسی طرح کا فرق ان دونوں میں بھی ہے۔ جمہوریت اس کائنات میں عوام کو سب سے بڑی قانونی اتھارٹی مانتی ہے۔ یعنی اکثریت کا فیصلہ اکثریت جسے چاہے حلال کرے جسے چاہے حرام کر دے۔ گویا جمہوریت میں اکثریت ہی '' الٰہ اور رب ''ہوتی ہے، جبکہ شوریٰ میں اکثریت اللہ اور اس کے رسول پھر امام المسلمین کے احکامات و فیصلہ جات کی تابعداری کی پابند ہوتی ہے اور امام اکثریت کی رائے یا فیصلے کا پابند نہیں ہوتا جبکہ اکثریت ان کی اطاعت کی پابند ہوتی ہے اگرچہ وہ ظلم کریں سوائے اس کے وہ کسی ''صریح کفرِ بواح'' کا حکم دے، جب اس کی اطاعت جائز نہیں بلکہ اس کو معزول کرنا مسلمانوں پر ضروری ہو جاتا ہے۔

چنانچہ شوریٰ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ربانی نظام و منہج ہے جبکہ جمہوریت ان ناقص انسانوں کی کارگزاری ہے جو خواہشات کے اسیر ہیں۔ چنانچہ نیز نبی علیہ السلام نے فرمایا:

”درحقیقت لوگ ایسے سو اونٹوں کی طرح ہیں جن میں تو ایک بھی سواری کے قابل نہ پائے گا“۔

(عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، متفق علیہ)

اسی طرح اللہ نے اپنی کتاب میں واضح طور پر اکثریت کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾
”اور اگر آپ نے زمین پر رہنے والے افراد کی اطاعت کی تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے وہ محض گمان پر چلتے ہیں اور صرف اندازے لگاتے ہیں“۔

(الانعام: ۱۱۶)

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ﴾
”اور اکثر لوگ اپنے رب سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں“۔

(الروم: ۸)

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾
”اور نہیں ایمان لائے ان میں سے اکثر اللہ پر مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہوتے“۔

(یوسف: ۱۰۶)

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾
”لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے“۔

(یوسف: ۲۱)

﴿فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا﴾
”پس اکثر لوگوں نے انکار کر دیا لیکن ناشکری سے“۔

(الاسراء: ۸۹)

علامہ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ ”اور ان کا معاملہ باہم مشورے سے ہوتا ہے“ اس جیسی آیات کے ذریعے اپنی گندی جمہوریت کو جائز قرار دینے والوں کی بڑی موثر تردید کی ہے چنانچہ آیات: ﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹) ”اور معاملے میں ان سے مشورہ لو“ ﴿وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ (الشوریٰ: ۳۸) ”اور ان کا معاملہ باہم مشورہ ہوتا ہے“ کی تفسیر کے حاشیے میں فرماتے ہیں:

”عصر حاضر میں دین کو مذاق بنالینے والے علماء وغیرہ ان دونوں آیات کو اپنی باطل تاویل اور گمراہ کرنے کے لئے مشقِ ستم بناتے ہیں تاکہ فرنگی کے بنائے ہوئے دستوری نظام کو جائز قرار دیں، جس کا نام انہوں نے ”جمہوری نظام“ رکھ کر عوام کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔ یہ لوگ ان دونوں آیات کو سرورق اور ہیڈنگ بناتے ہیں تاکہ اسلام سے منسوب جماعتوں کو دھوکہ دے سکیں۔ درحقیقت یہ ایسا کلمہ حق ہے جس سے باطل مقصد پورا کیا جارہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام مشاورت کا حکم دیتا ہے۔ یقیناً اسلام مشاورت کا حکم دیتا ہے لیکن کس قسم کی مشاورت کا، اللہ اپنے رسول سے فرماتا ہے: ﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹) ”اورآپ معاملے میں ان سے مشورہ لیں پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں“ اس آیت کے معنی واضح اور صریح ہیں محتاجِ بیان نہیں، نہ ہی تاویل کے محتمل ہیں۔ اس میں حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور رسول کے بعد اس کے نائب یعنی حاکم کو ہے کہ وہ اپنے قابل اعتماد اور قابل ساتھیوں سے مشورہ لے ان مسائل میں جن میں تنفیذ یا اجراء کے لئے آراء کے تبادلے اور اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔ پھر ان میں سے صحیح ترین یا قریب مصلحت رائے کو اختیار کرکے اس کے نفاذ کا عزم کرلے اور کسی مخصوص گروہ کی رائے کا پابند نہ ہو اور نہ ہی کسی مخصوص تعداد یا اکثریت یا اقلیت کی رائے کا۔ پھر جب عزم کرلے تو اس کے عملی اجراء کے لئے صرف اللہ پر توکل رکھے۔ اس آیت میں سادہ مفہوم جسے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، وہ یہ ہے کہ

رسول ﷺ یا اس کے نائب کو جن افراد سے مشاورت کا حکم ہوا ان سے اللہ کی حدود کی پابندی کرنے والے نیک اور متقی رفقاء مراد ہیں۔جو نماز وزکوۃ اور جہاد فی سبیل اللہ کے پابند ہوں۔جن کے متعلق خود نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ:"عقلمند اور سمجھ دار مجھ سے قریب رہا کریں"۔ان سے بے دین اور اللہ کے دین سے مصروفِ جنگ یا اعلانیہ گناہ کرنے والے یا خود کو اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مخالف قوانین بنانے کا مستحق سمجھنے والے اور اللہ کے دین کو برباد کرنے والے ایسے لوگ مراد نہیں جو کفر اور فسق کے مابین ہوں۔ان کا صحیح مقام یہ نہیں کہ مشیر کے مرتبے پر فائز کئے جائیں بلکہ ان کے لئے "تختہ دار" یا کوڑا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ان باتوں کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے فرمایا:﴿وَ الَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّہِمۡ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ۪ وَ اَمۡرُہُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَہُمۡ ۪ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴾(شوریٰ:۳۸) "اور جو لوگ اپنے رب کی اطاعت کریں اور نماز پڑھیں اور ان کا معاملہ باہم مشاورت سے ہو اور ہم نے انہیں جو کچھ عطا کیا اس میں سے خرچ کرتے ہوں"۔

(عمدۃ التفسیر:۶۵-۶۴/۳)

لہٰذا اب جو بھی جو اس جمہوریت کی حمایت کرے، اس کے لئے تباہی و بربادی ہو۔خواہ اس کی داڑھی کتنی ہی طویل ہو یا وہ کوئی بھی ہو۔ہم دنیا میں ان سے اس طرح اس لئے کہتے ہیں شاید وہ توبہ کرلیں جو ان کے لئے بہتر ہے اور یہ دنیا میں سن لینا بنسبت آخرت کے زیادہ سہل ہے کہ جب ساری انسانیت رب العالمین کے روبرو حاضر ہوگی۔یہ لوگ اللہ کے نبی ﷺ کے حوض کوثر پر جانا چاہیں گے لیکن فرشتے انہیں دھکیل دیں گے اور کہیں گے انہوں نے دین کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔یہ سن کر نبی الرحمۃ ﷺ فرمائیں گے۔دور ہو جاؤ جنہوں نے میرے بعد تبدیلیاں کیں۔

② ووٹ کو مشورہ پر قیاس کرنا

اسی طرح جمہوریت کے شیدائیوں کا یہ موٗقف ہے کہ مشورہ اور ووٹ ایک ہی چیز ہے اور ووٹ مشورہ لینا کا ایک جدید طریقہ ہے۔اس بات کی وضاحت تو اوپر خلیفہ کے انتخاب کے عنوان کے ضمن میں واضح ہو چکی ہے مگر اس سلسلہ میں چند مزید چند اہم امور سامنے رہیں۔سب سے پہلے اصولی بات یہ ہے کہ مشاورت وہاں کی جاتی ہے جہاں نص موجود نہ ہو اور جب نص موجود ہو تو شوریٰ کی کوئی حیثیت نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

''کسی مومن مرد یا مومنہ عورت کے لئے جائز نہیں جب اللہ اور اس کا رسول ایک بات کا فیصلہ کر دیں کہ انہیں اپنے معاملے میں اختیار مل جائے''۔

(الاحزاب:۳۶)

دوسرا یہ کہ مشورہ اور ووٹ دو الگ الگ نظاموں پر مبنی ہیں اور انہی کی ترجمانی کرتے ہیں۔مشورہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل ہے۔اس کے برعکس ووٹ کا ذکر نہ تو قرآن میں ہے اور نہ ہی احادیث میں کہیں ملتا ہے اور امت کی ۱۴ سو سالہ تاریخ یعنی 1924ء میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ تک ووٹ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

مشورہ کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾

'''اور آپ معاملے میں ان سے مشورہ لیں پھر جب آپ فیصلہ کر لیں تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

(آل عمران:۱۵۹)

یہاں فرمایا ”جب آپ فیصلہ کرلیں“، یہ نہیں فرمایا کہ ان سے مشورہ لیں اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کرلیں۔ یہ بھی نہیں فرمایا کہ ان سے مشورہ لیں اور اکثریت کے مطابق فیصلہ کرلیں۔ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ مشورہ لینے والا ہی فیصلہ کرے، مشورہ دینے والے نہیں۔

چنانچہ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ”مشورہ“ الگ چیز ہے اور قصد یا فیصلہ کرنا الگ چیز ہے۔ اگر مشورہ دینا فیصلہ قرار پاتا تو بات یوں کی جاتی کہ اکثریت کے فیصلہ کے مطابق ہی فیصلہ کیا کریں چنانچہ پھر مشورہ کو ووٹ قرار دیا جاسکتا تھا۔

اسی طرح سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۸ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ ”وہ اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں“۔ یہ نہیں فرمایا کہ ”وہ اپنے معاملات اکثریت کے مشورہ کے مطابق کرتے ہیں“۔ اگر اللہ تعالیٰ اس طرح فرمادیتے تو قیامت تک کے لئے اکثریت کے مشورے اور رائے فیصلہ بن جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے مشورہ کو فیصلہ نہیں بنایا۔

اس کے برعکس جمہوریت میں حاکمیت ہی افراد کی ہوتی ہے اس لئے ہر انسان کا ووٹ اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر ووٹ عوام کا فیصلہ نہیں اور صرف مشورہ ہے تو پھر ان کی حاکمیت بنتی ہی نہیں۔ حاکم حکم دیتے ہیں چنانچہ مشورہ دینے والے حاکم نہیں ہوسکتے۔ چونکہ جمہوریت میں اکثریت حاکم ہے اس لئے اگر ہم ووٹ کو مشورہ اور رائے بنادیں گے تو ہمیں لوگوں کی حاکمیت کے جمہوری تصور اور نظریہ سے انکار کرنا پڑے گا اور پھر جمہوریت کی تعریف ہی غلط ہو جاتی ہے۔ اس لئے ووٹ نہ تو رائے ہے نہ مشورہ۔ اسی طرح مشورہ عاقل اور عابد سے لیا جاتا ہے جبکہ ووٹ ہر جاہل و عالم دیتا ہے۔ مشورے میں بعض اوقات ایک آدمی کی رائے سو آدمیوں کی رائے پر بھاری ہو جاتی ہے۔ جبکہ جمہوریت میں بقول علامہ اقبال کہ:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اس حوالے سے آخر میں ایک حدیث بات کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔ **مجمع الزوائد** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

((قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! أرأیت ان عرض لناامر لم ینزل فیه القرآن ولم تمض فیه سنة منك قال تجعلونه شوریٰ بین العابدین من المؤمنین ولا تفضونه برأی خاصة))

”میں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر پیش آئے ہمیں کوئی ایسا امر جس کو ہم قرآن میں نازل نہ پائیں اور نہ آپ کی سنت میں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اہل ایمان میں سے نیک لوگوں کی شوریٰ بناؤ اور کسی اکے دکے کی رائے پر فیصلہ نہ کرو“۔

(الطبرانی فی الکبیر بحواله مجمع الزوائدج:اص:۱۷۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث میں ہے کہ:

((قال شاوروافیه الفقهاء والعابدین ولا تضوا فیه رأی خاصة))

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشاورت کرو اس میں فقہاء اور نیک لوگوں سے اور نہ چلو کسی اکے دکے کی رائے پر“۔

(الطبرانی فی الاوسط واسناده ،مجمع الزوائدج:اص:۱۷۸)

③ خلافت راشدہ میں خلیفہ کے انتخاب کے طریقے کو جمہوری قرار دینا

جمہوریت کے دلدادہ لوگ کہتے ہیں کہ خلافت راشدہ کا دور سب سے زیادہ جمہوری دور تھا۔ خلفائے راشدین کا انتخاب بھی جمہوری طریقے سے ہوا تھا اور تمام عوام نے بیعت کر کے ان چاروں کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ چنانچہ جمہوریت اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ بعض لوگ یہ کہنے

کی جسارت کر بیٹھتے ہیں مغرب میں رائج جمہوری نظام دراصل خلافت راشدہ میں رائج جمہوری نظام سے اخذ کردہ ہے۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط اور سفید جھوٹ ہے۔ چنانچہ اس شبہ کو رد کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے ہم خلفائے راشدین کے طریقۂ انتخاب کا مختصراً جائزہ لینا پڑے گا تاکہ اصل صورتحال معلوم ہوسکے:

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب:

جمہوریت کے شیدائی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنائے جانے والے واقعے کو توڑ مروڑ کر جمہوریت کے حق میں دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "سقیفہ بنی ساعدہ" اس وقت کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ مہاجرین و انصار کے تمام قبائلی سرداروں جو کہ اپنے قبیلوں کے نمائندے تھے ،انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لہٰذا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کثرت رائے یعنی جمہوری طریقہ سے خلیفہ بنایا گیا"۔ حقیقت یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ محض قبیلہ خزرج کی ایک ذیلی شاخ بنو ساعدہ کے شخص حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا تھا اور یہ بیٹھک یا سائبان ان ہی کے مکان سے ملحق تھا۔ فراغت کے اوقات میں روزمرہ کی عام گفتگو کے لئے چند لوگ جمع ہوتے تھے۔ یہ نہ تو کوئی ایسا مقام تھا جو مدینہ بھر کے معززین کے لئے مخصوص ہو یا اس جگہ اتنے آدمی اس چھپر کے سائے میں بیٹھ سکیں۔ یہ کوئی انتخابی مرکز بھی نہ تھا کہ کسی کو خیال آتا کہ انتخاب کے لئے یہ جگہ موضوع رہے گی۔

مزید یہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ پر موجود زیادہ تعداد بنو ساعدہ کے انصار کی تھی اور باقی اڑھائی سو انصار کے قبیلوں کے لوگ اور ان کے سردار بھی موجود نہ تھے۔ مہاجرین میں سے کل چار یا پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے۔ جن میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے دس مشہور خاندانوں میں سے نہ تھا اور یہاں صرف قریش کے دو قبیلوں کے سردار موجود تھے یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

چنانچہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ انصار کہ کچھ لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں وہاں پہنچ گئے۔ انصار کے کچھ لوگوں نے کہا کہ خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہیے۔ لیکن جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے موجودگی میں یہ نہیں فرمایا تھا کہ ''قریش امرِ خلافت کے والی ہیں۔ ان کے نیک نیکوں کی اور فاجر فاجروں کی اتباع کریں گے''۔ تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''آپ نے سچ فرمایا۔ چنانچہ ہم وزیر ہوں گے اور آپ امیر''۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا''میں چاہتا ہوں کہ تم ان دونوں میں سے (یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ) میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو''۔ لیکن دونوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ اٹھائیے، انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی، اس طرح بیعت انعقاد خلافت ہوگئی۔ اس کے بعد تمام حاضرین مجلس نے بیعت کی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات والے دن، پیر ظہر کی نماز سے پہلے ہوا۔ دوسرے دن یعنی منگل کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں سے خطاب کیا اور اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی اور لوگوں سے کہا کہ ان سے بیعت کریں تو عوام الناس سب نے ان سے بیعت کی اور اس طرح یہ بیعت عامہ ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت محتاط اندازے کے مطابق مسلمانوں کی تعداد تیرہ لاکھ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ اگر سرداروں کو نمائندہ مان لیا جائے تو کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ تیرہ لاکھ مسلمانوں کے نمائندوں کو چار گھنٹوں میں اطلاع بھی مل گئی ہوگی اور ان چار گھنٹوں میں مدینہ پہنچ کر سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں شرکت کی ہوگی؟ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باحیثیت ''امیر المومنین'' کے چناؤ کو موجودہ نمائندہ پارلیمانی نظام سے مماثلت ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو کہ بالکل خلافِ واقعہ ہے اور صریح جھوٹ ہے۔

خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نامزدگی:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض الوفات میں ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا کہ، عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا کہ "اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عمر آپ رضی اللہ عنہ کی رائے میں زیادہ بہتر ہے۔ مگر مزاج میں سختی ہے"۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "وہ اس لئے تھی کہ میں نرم تھا۔ جب خلافت کا بوجھ سر پر پڑے گا تو سب سختیاں دور ہو جائیں گی"۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور پوچھا کہ "عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟" انہوں نے فرمایا کہ "میرے علم کے مطابق ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا کوئی جواب نہیں"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سخت طبیعت کی وجہ سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا "اب آپ تو اللہ کے پاس جا رہے ہیں۔ یہ سوچ لیں کہ اللہ کو کیا جواب دیں گے"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اللہ سے کہوں گا میں نے تیرے بندوں پر ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو سب سے بہتر تھا۔" ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے وہی جواب دیا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلوا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا عہد نامہ لکھوایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بالا خانے پر چڑھے اور لوگوں سے کہا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تم پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔ تم اسی کی سنو اور اطاعت کرو، اس پر لوگوں نے کہا کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

اس تمام واقعہ سے بھی جمہوریت کا نام ونشان نہیں ملتا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تقریباً تین ماہ بیمار رہے۔ وہ چاہتے تو مکہ، مدینہ اور طائف کے شہروں میں بسنے والے لوگوں سے ان کی رائے طلب

کر سکتے تھے کہ لوگ کس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ تاہم انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اگر تمام لوگوں سے رائے لینا ان کی نظر میں مناسب نہیں تھا تو کم از کم اتنا تو کر سکتے تھے کہ تمام قبائل کے سرداروں اور گورنروں کو بلواتے اور ان کی اکثریت کی رائے پر فیصلہ فرمادیتے، یہ بھی نہیں ہوا۔ یہ تو ہو سکتا تھا کہ کسی بھی نماز کے بعد وہ تمام موجودہ نمازیوں سے ان کی رائے لیتے اور خلیفہ مقرر کر دیتے، یہ بھی نہیں ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود ذہن بنایا اور چند اکابرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ پھر فیصلہ لکھوایا اور لوگوں میں اعلان کر دیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تقریباً سب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج کی سختی کا ذکر کیا لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقرر کرنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہو گئی اور پھر سب مسلمانوں نے ان سے بیعت اطاعت کر لی۔ تاریخ نے ثابت کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہ صرف صحیح تھا بلکہ وہ امت مسلمہ پر احسان کر گئے۔ آج دنیا ایک ایک چیز میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی مثال دیتی ہے۔ ایک انگریز مورخ کہتا ہے کہ ''اگر عمر (رضی اللہ عنہ) دس سال اور زندہ رہتا تو خلافت ساری دنیا میں پھیل جاتی''۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا اسلام کے نظام کو وہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم زیادہ جانتے تھے یا ہم جو کہ آج زبردستی جمہوریت کو اسلام میں ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خلیفہ سوئم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تقرری:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا چناؤ کیسے ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔ فرمایا ''اگر خلیفہ مقرر کر دوں، تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو مجھ سے بہتر تھے، خلیفہ مقرر کر گئے تھے اور اگر نہ کروں تو یہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو مجھ سے بہتر تھے، خلیفہ نہیں بنا کر گئے تھے''۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خنجر کا وار ہوا تو آپ سے کہا گیا کہ کسی کو خلیفہ بنا جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ابو عبیدہ بن الجرح رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنا جاتا''۔

پھر کسی نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر جایئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ''اگر یہ حکومت اچھی چیز تھی تو اس کا مزہ ہم نے چکھ لیا۔ اگر یہ بری چیز تھی تو عمر کے خاندان کے لئے یہی کافی ہے کہ کل اللہ کے سامنے ان میں سے ایک ہی آدمی سے اس بارے میں حساب لیا جائے''۔

بعد ازاں صحیح بخاری میں ہے کہ انہوں نے چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شوریٰ بنائی جو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف tپر مشتمل تھی۔ خلیفہ کے تقرر کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین دن کی مدت مقرر کی تھی۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ جب تک یہ لوگ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ نہ چن لیں، کسی کو اندر آنے یا جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو صرف رائے دینے کی حد نامزد شوریٰ میں شامل ہونے کی اجازت تھی۔ صرف یہی ان کے کمرے میں داخل ہو سکتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ شوریٰ بیٹھی۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم چھ اپنے میں سے کسی تین کو مختار بنا دیتے ہیں، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہا کہ وہ خلیفہ بننے کی خواہش نہیں رکھتے اس لئے اگر تم دونوں چاہو تو میں تم دونوں میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر دوں۔ دونوں نے کہا کہ ہمیں قبول ہے۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت کا انعقاد کیا۔

یہاں یہ نکتہ اہم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہزار یا پانچ سو یا کم از کم بیس پچیس صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی شوریٰ بنا سکتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شوریٰ بنائی اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ میں شامل کیا۔ ہم سب جانتے ہیں سوائے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے یہ سب صحابہ عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔ چنانچہ دونوں کی رضامندی اور باقی اصحاب سے مشورہ کر کے حضرت عبد الرحمن

بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت انعقاد خلافت ہوئی۔ پھر بیعت عامہ ہوئی جس میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی اوراس کے بعد تمام مدینہ والوں نے بیعت کی۔

ذرا سوچیے کہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بلکہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو عوام کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے یا آپ کو تمام مسلمانوں سے مشورہ کرنا چاہیے اور جسے وہ چنیں اسے خلیفہ مقرر کریں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا فرمان ہوتا جس میں تمام مسلمانوں سے مشورہ کرنے کی گنجائش ہوتی تو پوری خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی تاریخ میں کوئی ایک صحابی تو اس کا ذکر کرتے۔ مگر کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی ایک صحابی نے بھی کہا ہو کہ عوام سے مشورہ لیا جائے اور جس کی طرف زیادہ مسلمان ہوں اس کو خلیفہ بنایا جائے۔

خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقرری:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے خلیفہ مقرر کئے گئے۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ اور بصرہ سے آنے والے باغی اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ جو بھی امارت قبول کرے اس کو خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ چناچہ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے مگر سب نے دوٹوک انداز میں خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ اس وقت بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حج کی ادائیگی کے لئے بھی گئے ہوئے تھے چنانچہ ان لوگوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور لوگوں سے کہا کہ ہم تمہیں تین دن کی مہلت دیتے ہیں، اس دوران اپنا امیر مقرر کرو، ورنہ اگلے دن ہم علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ سمیت اور بہت سے لوگوں کو قتل کر دیں گے۔

یہ لوگ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور خلافت قبول کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ ہم سے آپ سے زیادہ کوئی آدمی مناسب نہیں دیکھتے، مسابقت فی الاسلام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی

وجہ سے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا نہ کرو، میں امیر بننے سے زیادہ وزیر بننا پسند کروں گا۔ لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم تو آپ کی بیعت کریں گے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ اہل شوریٰ اور اہل بدر کا کام ہے۔ جسے وہ منتخب کریں وہی خلیفہ ہو گا۔ پس ہم جمع ہوں گے اور اس معاملے پر غور کریں گے''۔ دوسرے الفاظ میں آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ خلیفہ بنانے کا حق اہل حل وعقد اور صائب الرائے اشخاص کا ہے۔ لیکن اس کا موقع ہی نہیں ملا اور ایک شخص اشتر نخعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تقرری:

البدایہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے قریب آپ سے لوگوں نے کہا کہ اپنا ولی عہد مقرر کر دیں۔ آپ نے فرمایا ''مسلمانوں کو اسی حالت میں چھوڑوں گا جس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا''۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''اے امیر المومنین! اگر آپ فوت ہو جائیں تو ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' میں نہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں، تم خود بہتر سمجھتے ہو''۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد قیس بن سعد نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا، اپنا ہاتھ آگے اٹھایئے، میں آپ کے ہاتھ پر اللہ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر بیعت کرتا ہوں چنانچہ ان کی بیعت کے بعد سب نے بیعت کر لی۔

ایک اہم مغالطہ اور اس کا سدِ باب

ایک مغالطہ ہے جس کو ہم یہاں رفع کر لیں جو کہ داعیانِ جمہوریت پیدا کرتے ہیں کہ خلیفہ کا تقرر اس طرح ہوتا تھا کہ تمام مسلمان کسی ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے اور یوں کثرتِ

رائے کے مطابق خلافت کا انعقاد ہو جاتا تھا اور یوں اس بات کو یہ لوگ اس کو جمہوریت کے لئے دلیل بناتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات جان لیں کہ عامۃ المسلمین سے جو بیعت لی جاتی تھی وہ "انعقادِ خلافت" کے لئے نہیں بلکہ اہل حل و عقد اور الرائے شخصیات کی طرف سے کسی بھی شخص کو خلیفہ مقرر کرنے کے بعد اس کی اطاعت کا اقرار کرنے کے لئے کی جاتی تھی۔ جس کو ہم "بیعت اطاعت" بھی کہہ سکتے ہیں اور جو صاحب الرائے خلیفہ کو مقرر کرنے کے لئے بیعت کرتے تھے اس کو ہم "بیعت انعقادِ خلافت" کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت خاص یعنی بیعت انعقادِ خلافت سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی اور بیعت عام یعنی "بیعت اطاعت" دوسرے دن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق مشورے حضرت منور بن مغیرہ رضی اللہ عنہ کے گھر پر ہوئے اور اس میں بیعت انعقاد یعنی بیعت خاص عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کی اور بیعت عام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی چاہتے تھے کہ ان کا چناؤ حسبِ دستور ہو مگر ہنگامی حالت کی وجہ سے ان کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ بیعت انعقادِ خلافت اشتر نخعی نے کی اور بیعت عام یعنی بیعت اطاعت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔

بیعت انعقادِ خلافت، اور بیعت اطاعت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ فیصلہ شوریٰ یعنی اہل حل و عقد کرتے ہیں۔ بیعت عام کا مقصد محض سننا اور اطاعت ہے جیسے کہ تمام متعلقہ احادیث سے ثابت ہے۔ بیعت عام اطاعت کی بیعت ہوتی ہے۔ خلیفہ کا چناؤ عوام کا کام نہیں اور نہ ہی اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اہل حل و عقد کے فیصلے کو رد کریں اور نہ کبھی ایسا ہوا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انعقادِ خلافت یا بیعت خلافت کے بعد فیصلہ عوام کے سامنے بغرضِ قبولیتِ عامہ پیش کیا جاتا تھا۔ چاہے تو اسے منظور کریں یا اسے رد کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات بھی درست نہیں۔ ان کے اس نظریہ کے سلسلہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی اور نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ملتا ہے جس سے کہا جاسکے کہ بیعت خاص یعنی

انعقادِ خلافت کے بعد دوبارہ مسئلہ لوگوں کے سامنے فیصلے کے لئے پیش کیا جاتا تھا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ بیعت عام کو لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ یہ کہنا کہ امت ہی عام مسلمان ہی خلیفہ کا بالواسطہ یا براہِ راست چناؤ کرتے ہیں، نہ دینی طور پر درست ہے نہ تاریخی طور پر، اور یہ کہنا کہ "منتخب ہونے والا امیدوار" امت کی بیعت کے ذریعے خلافت کے منصب پر فائز ہوتا ہے، تاریخ سے ناواقفیت اور دینی کم فہمی کا ثبوت ہے۔ پھر یہ کہنا کہ "امت کی بیعت کے ذریعے خلیفہ کا چناؤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے" سراسر سفید جھوٹ ہے اور حقیقت میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر صریح بہتان ہے کہ انہوں نے خلاف قرآن وسنت کام کیا۔

خلفائے راشدین کی نامزدگی کو بنیاد بنا کر داعیان جمہوریت یہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا انتخاب "جمہوری" بنیادوں پر ہوا تھا، جو کہ سراسر بہتان اور سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ خلفائے راشدین کی نامزدگی جن مختلف طریقہ کار پر ہوئی تھیں وہ درج ذیل ہیں:

- ❁ صائب الرائے اور اہل حل وعقد پر مشتمل شوریٰ کے ذریعے خلیفہ مقرر کرنا۔
- ❁ خلیفہ کا اپنی زندگی ہی میں خلافت کے اہل شخص کو خلیفہ نامزد کرنا۔
- ❁ اور دونوں صورتوں کے علاوہ کسی ہنگامی صورت حال میں شوریٰ کے ایک ہی رکن یا کسی بھی با اثر شخصیت کا خلیفہ مقرر کر دینا۔

چنانچہ اب ہم ان تمام طریقۂ نامزدگی کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں کہ آیا ان کے طریقہ نامزدگی میں کہیں وہ جمہوری اقدار پائے جاتے ہیں جن کا یہ جمہوریت کے دلدادہ ڈھنڈورہ مچاتے ہیں:

❁ صائب الرائے اور اہل حل وعقد پر مشتمل شوریٰ کے ذریعے خلیفہ مقرر کرنا:

خلیفہ اگر صائب الرائے اور اہل حل و عقد پر مشتمل شوریٰ منتخب کرے تو یہ سب سے بہترین صورت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ یہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی ہے:

''لاخلافۃ الاعن مشورۃ''

''مشورہ کے بغیر خلافت نہیں''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج: ۳، ص: ۱۳۹)

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی اسی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں کہ:

''الامرۃ ما اؤتمر فیھا''

''امارت وہ ہے جسے قائم کرنے میں مشورہ کیا گیا ہو''۔

(طبقات ج: ۴، ص: ۱۱۳)

خود نبی کریم ﷺ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے اس منصب کو شوریٰ کے سپرد کیا اگرچہ اول الذکر دونوں ہستیاں استخلاف یعنی کسی ایک کو اپنی زندگی ہی میں خلیفہ مقرر کر جانے کی طرف مائل تھی۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلافت کے لئے اہل سمجھنے کے باوجود یہ معاملہ مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرضِ موت کے دوران فرمایا:

''اپنے باپ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی (عبد الرحمن رضی اللہ عنہ) کو بلاؤ تا کہ میں وصیت لکھ دوں۔ مجھے ڈر ہے کہ حریص لوگ اس (خلافت) کی آرزو کریں گے اور کچھ کہنے والے یہ بھی کہیں گے کہ خلافت کا حق دار میں زیادہ ہوں۔ مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سوا نہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کی خلافت کو تسلیم کرے گا اور نہ مسلمان''۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ابوبکر رضی اللہ عنہ)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ:

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے؟ فرمایا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو۔ پوچھا گیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد کس کو؟ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو۔ پوچھا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کس کو؟ فرمایا حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو اور یہاں بات ختم ہو گئی"۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ابوبکر رضی اللہ عنہ)

پھر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ مسلمانوں پر چھوڑ دیا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ اس عمل سے رہنمائی لے سکیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ ہی معاملہ اختیار کیا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ (زخمی ہوئے تو ان) کہا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر خلیفہ مقرر کروں تو (بھی ٹھیک ہے کیونکہ) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو مجھ سے بہتر تھے خلیفہ مقرر کر گئے تھے اور نہ کروں تو (بھی ٹھیک ہے کیونکہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو مجھ سے بہتر تھے خلیفہ نہیں بنا گئے تھے۔ (پھر فرمایا) میں تو یہی غنیمت سمجھتا ہو کہ خلافت کے مقدمہ میں برابر پر چھوٹ جاؤں نہ مجھے ثواب ملے نہ عذاب ہو۔ میں اس بوجھ کو جسے زندگی بھر اٹھایا ہے مرتے وقت اُٹھانا نہیں چاہتا"۔

(بخاری، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح "شوریٰ" پر چھوڑ دیا۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی یہ معاملہ اصحاب الرائے پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ البدایہ میں ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وفات کے وقت آپ سے لوگوں نے کہا کہ ''استخلف'' یعنی اپنا جانشین مقرر کر جایئے تو آپ نے جواب میں فرمایا:''میں مسلمانوں کو اسی حالت میں چھوڑوں گا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا''۔

(البدایۃ ج:۸، ص:۱۳تا۱۴)

❁ خلیفہ کا اپنی زندگی ہی میں خلافت کے اہل شخص کو خلیفہ نامزد کر جانا:

شوریٰ کی انتخاب کے بعد استخلاف کا نمبر ہے جسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عملاً اختیار کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو درست سمجھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری میں ہے کہ:

''حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بالا خانے پر چڑھ کر لوگوں سے متوجہ ہوئے جبکہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا انہیں تھامے ہوئے تھیں جس کے دونوں ہاتھ گودے ہوئے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:''جس شخص کو میں نے خلیفہ بنایا ہے کیا تم اس سے راضی ہو۔ اللہ کی قسم میں نے رائے قائم کرنے میں کوئی کمی نہیں کی ہے اور اپنے کسی رشتہ دار کو نہیں بلکہ عمر بن الخطاب کو مقرر کیا ہے۔ لہٰذا تم اس کی سنو اور اطاعت کرو۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ہم سنیں گے اور مانیں گے''۔

(طبری ج:۳ص:۴۲۸،۴۳۰)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جب خنجر کا وار ہوا تھا تو آپ سے کہا گیا کہ اے امیر المومنین! کسی کو خلیفہ بنا جایئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا ''کس کو جانشین بناؤں؟ اگر ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو ان کو جانشین مقرر کر جاتا۔ میرا رب اگر مجھ سے پوچھتا تو کہہ دیتا کہ تیرے نبی

ﷺ کی زبان سے سنا تھا کہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اس امت کے امین ہیں۔ پھر اگر ابو حذیفہ کے مولیٰ سالم رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو انہیں خلیفہ نامزد کر جاتا۔ میرا رب مجھ سے پوچھتا تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی ﷺ کو فرماتے سنا تھا "سالم رضی اللہ عنہ اللہ سے بہت محبت کرنے والا ہے"۔

(طبری ج:۴، ص:۲۲۷)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر کبائر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چھ صحابہ کی ایک شوریٰ منتخب کی اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ آپس میں کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔

"لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! کسی کو خلیفہ بنا جایئے۔ آپ نے کہا کہ خلافت کا حقدار ان چند لوگوں کے سوا کوئی نہیں جن سے رسول اللہ ﷺ راضی رہے۔ انہوں نے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کا نام لیا اور کہا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مشورہ میں تمہارے ساتھ رہے گا۔ لیکن خلافت میں اس کا کوئی حصہ نہیں"۔

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان)

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب بیماری لاحق ہوئی اور وہ حج پر نہ جاسکے اور وصیت کرنے لگے۔ چنانچہ لوگ خلیفہ نامزد کرنے کے متعلق دریافت کرنے لگے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں؟ کہنے لگا "ہاں"۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "کس کے متعلق؟" تو وہ چپ رہا۔ پھر آپ نے فرمایا "شاید وہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں؟" اس نے کہا کہ "ہاں"۔ آپ نے فرمایا "اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ جتنے لوگوں کو میں جانتا ہوں، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ان سب سے بہتر ہیں اور سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ سے محبت رکھتے تھے"۔

(صحیح بخاری ، کتاب المناقب)

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت کے بعد حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے لکھ کر اپنے منشی کے پاس وہ کاغذ رکھوا دیا تھا۔ مگر حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی زندگی میں ہی ۳۲ھ میں ہی انتقال کر گئے تھے''۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے تو ان سے حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

''اے امیر المومنین! اگر آپ فوت ہو جائیں تو ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ فرمایا: ''میں نہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ تم خود بہتر سمجھتے ہوں''۔

(البدایہ والنہایہ ج:۷، ص۳۲۷)

❁ کسی ہنگامی صورت حال میں شوریٰ کے ایک ہی رکن یا کسی بھی بااثر شخصیت کا خلیفہ مقرر کر دینا۔

کسی ہنگامی صورتحال میں جبکہ شوریٰ کے تمام اراکین بھی موجود نہ ہوئے اور نہ خلیفہ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا ہوا تھا اور امت میں انتشار واختلاف کا اندیشہ کے پیش نظر ایسی صورتحال میں بھی شوریٰ کی ایک رکن کی بیعت سے بھی خلافت منعقد ہو گئی۔ اسی طرح اگر شوریٰ موجود نہ ہوئی تو بھی عوام الناس میں سے بھی کسی بااثر شخصیت کی بیعت سے خلافت منعقد ہو گئی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ہنگامی حالت میں جب کہ امت میں انتشار و اختلاف کا ڈر تھا ایک صائب الرائے شخص یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منعقد ہو گئی۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا نقشہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں جس کا کچھ حصہ یوں ہے کہ:

"(ایک انصاری صحابی نے کہا کہ) ایک امیر ہم میں سے ہو اور اے قریش! ایک امیر تم میں سے ہو"۔ اس تجویز پر غُل مچ گیا اور کئی طرح کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں ڈر گیا کہ امت انتشار و اختلاف کا شکار نہ ہو جائے۔ سو میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے بیعت کی اور مہاجرین نے بیعت کی اور پھر انصار نے بیعت کی"۔

(بخاری، کتاب المحاربین، باب رجم الحبلی)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیعت خلافت منعقد ہوئی۔ اس حوالے سے طبری میں الفاظ ملتے ہیں کہ:

"حضرت حسن بن علی کی خلافت پر بیعت ہوئی اور کہتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے بیعت کی وہ قیس بن سعد تھا۔ اس نے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ میں آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت پر بیعت کرتا ہوں"۔

(طبری ج:۵، ص:۱۵۸)

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب پوری امت خلفشار کا شکار تھی اور مدینہ پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور کبائر صحابہ میں سوائے چند ایک کے، اکثریت حج کو گئی ہوئی تھی۔ باغی حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پاس گئے اور ان سے خلافت سنبھالنے کو کہا۔ مگر سب نے انکار کر دیا۔ لیکن بالآخر باغیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا بار اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ یہی وجہ تھی چونکہ یہ بیعتِ خلافت بغیر شوریٰ کے مشورے اور رائے کے بغیر ہوئی تھی۔ لہٰذا بہت سے صحابہ نے اس بیعت سے گریز کیا اور مدینہ سے چلے گئے اور بہت سے صحابہ کو باغیوں نے جبری بیعت کروائی۔

(دیکھئے طبری ج:۴، ص:۴۲۷ تا ۴۳۴ اور مقدمہ علامہ ابن خلدون، فصل ولایت عھد، ص:۳۷۸)

خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی بات کے قائل تھے کہ خلافت کا فیصلہ اہل بدر اور شوریٰ کے ذریعے ہونا چاہیے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے باغیوں کے سامنے یہی بات رکھی تھی کہ:

"یہ اہل شوریٰ اور اہل بدر کا کام ہے۔ جسے وہ منتخب کریں وہی خلیفہ ہو گا۔ پس ہم جمع ہوں گے اور اس معاملے پر غور کریں گے"۔

(ابن قیتبہ۔ الامامۃ والسیاسۃ ج:اص۴۱)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی باغیوں سے یہ سوال کیا تھا جبکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر ان کو مجبور کر رہے تھے کہ

"کیا شوریٰ نے جمع ہو کر اس کا فیصلہ کیا ہے"۔

(ابن قیتبہ۔ الامامۃ والسیاسۃ ج:اص۴۲)

لیکن چونکہ خلافت منعقد ہو چکی تھی اور دوسری طرف امت انتشار و اختلاف کی طرف جارہی تھی لہٰذا حضرت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ مؤقف تھا کہ چونکہ خلافت منعقد ہو چکی ہے لہٰذا عارضی طور سب اس پر متفق ہو جائیں تاکہ قوت کے ساتھ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لیا جاسکے اور بعد میں اس خلافت کے مسئلہ کو باہمی مشاورت سے حل کر لیا جائے۔ گویا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنی بیعت خلافت سے مطمئن نہیں تھے۔ لیکن دوسری طرف کچھ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں حضرت معاویہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت سعد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا مؤقف یہ تھا کہ جو صحابہ اہل حل و عقد ہیں وہ بیعتِ علی رضی اللہ عنہ کے وقت مدینہ میں نہیں تھے یا ان کی قلیل تعداد تھی، وہ اس وقت دیگر شہروں میں متفرق تھے۔ ان کے بغیر یا ان کی قلیل تعداد کے ساتھ بیعت منعقد نہیں ہو سکتی، اس لئے بیعت ہی سرے سے منعقد ہی نہیں ہوئی۔ مسلمان لحۂ انتشار میں ہیں۔ اس بناء پر ان کا یہ کہنا تھا کہ پہلے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ پورا کیا جائے۔ اجماع علی الامام کا معاملہ دوسرے نمبر پر رکھا جائے۔

جنگِ صفین کے دوران جب وفد کے ذریعہ صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفد نے اس وقت بھی اسی بات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے دہرایا تھا کہ آپ امرِ خلافت کو چھوڑ کر اسے شوریٰ کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اپنی مرضی سے جسے چاہے خلیفہ منتخب کر دیں۔

(دیکھئے طبری جلد۵صفحہ۷۳۷، الکامل جلد ۳صفحہ۲۹۱)

ان تمام احوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصولی طور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق تھے کہ خلیفہ کا انتخاب کا اختیار صائب الرائے اور اہل حل وعقد پر مشتمل شوریٰ کو ہی حاصل ہے، اختلاف صرف اس کام کے موئخر یا مقدم رکھنے پر تھا۔

خلفائے راشدین المھدین کے طریقۂ انتخاب اور نامزدگی کے عمل کو اگر تحقیق نظر سے دیکھا جائے تو سب سے مقدم اور پسندیدہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ طور پر سامنے آیا کہ خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ مسلمانوں کے اندر ان لوگوں کے ذریعے کیا گیا جو صائب الرائے اور اہل حل وعقد تھے۔ دوسری صورت یہ سامنے آئی کہ خلیفہ نے اپنی زندگی ہی میں کسی اہل شخص کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ لیکن اس میں بھی شوریٰ کو اپنے اعتماد میں لیا اور ان کو اس قابلیت پر قائل کیا۔ تیسری صورت یہ سامنے آئی کہ کسی بھی ہنگامی صورتحال میں جب امت میں انتشار واختلاف کا اندیشہ ہوا تو شوریٰ کے ایک ہی رکن کی بیعت پر خلافت منعقد ہوگئی۔ پھر بعد میں تمام اہل شوریٰ اس کی تائید کی۔ چوتھی جو انتہائی صورت سامنے آئی کہ اہل شوریٰ کی عدم موجودگی میں کسی ایک فرد کی بیعتِ انعقادِ خلافت سے خلیفہ کا تقرر ہوگیا مگر باتفاقِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس معاملے کو اہل شوریٰ کی طرف لوٹانے کو ہی ضروری سمجھا۔

چنانچہ ان تمام طریقہ کار سے یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں ہوتی کہ خلفائے راشدین کا انتخاب یا نامزدگی جمہوری بنیادوں پر ہوتی تھی بلکہ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک ''کثرتِ رائے یا عوامی رائے دہندگی'' کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

⑤ دورِ نبوی ﷺ اور دور خلفائے راشدین میں اہم امور کے فیصلوں کو جمہوری قرار دینا

داعیانِ جمہوریت جہاں ایک طرف یہ مغالطہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ خلفائے راشدین کا انتخاب کثرتِ رائے یا عوامی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوتا تھا، وہاں یہ فریب کاری بھی کرتے ہیں کہ دورِ نبوی ﷺ اور دور خلفائے راشدین میں ہونے والے فیصلوں کو توڑ مروڑ کر زبردستی جمہوریت کے حق میں دلیل بنانے کی مذموم و مردود کوشش کرتے ہیں اور یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں بھی فیصلے کثرتِ رائے اور عوامی رائے کے مطابق ہوتے تھے۔ چنانچہ ہم یہاں مختصراً اس بات کا بھی جائزہ لیتے ہیں کہ کیا واقعی ایسا ہوتا تھا یا صورتحال اس کی برعکس ہے۔

دورِ نبوی ﷺ

اس سے پہلے کہ ہم یہ بات جاننے کی کوشش کریں کہ کیا دورِ نبوی ﷺ میں فیصلے جمہوری اصولوں کی بنیاد پر کثرتِ رائے سے ہوتے تھے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ آیا خلیفہ کو کسی بھی معاملہ فیصلہ کرنے کا کتنا اختیار حاصل ہے؟

اس ضمن میں سب سے پہلی بات یہ کہ اسلام کے نظام خلافت میں خلیفہ کے لئے کسی بھی معاملے میں فیصلہ کرنے سے پہلے صائب الرائے افراد پر مشتمل شوریٰ سے مشورہ اور رائے لینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ البتہ خلیفہ کو اس بات کا پابند نہیں بنایا گیا کہ وہ اہل شوریٰ کی رائے کے مطابق فیصلہ کرے ، چہ جائے کہ وہ اپنے فیصلے اکثریت کی رائے کے مطابق کرنے کا پابند ہو اور دوسری بات یہ کہ اہل شوریٰ سے مشاورت جب لی جائے گی جب کسی معاملے میں شریعت کا کوئی واضح حکم موجود نہ ہو یا پھر شریعت کے کسی حکم کے نفاذ کے طریقہ کار یا اس کے مقدم و مؤخر کرنے کا معاملہ ہو۔

غزوہ بدر:

غزوۂ بدر کے موقع پر جب قریشِ مکہ کے ستر بڑے سر دار قیدی بن کر دربارِ نبوی ﷺ میں پیش کئے گئے تو آپ ﷺ نے حسبِ عادت مجلسِ شوریٰ طلب کی اور پھر معاملہ زیرِ بحث آیا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں ان کی رائے دریافت کی۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں ہی سے کیوں رائے معلوم کی۔ اس وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لواجتمعاماعصیتکما))

”اگر تم دونوں کسی ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو میں اس کے خلاف نہیں کرتا“۔

(عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، درمنثور ج:۳ص:۲۰۲)

چنانچہ اس معاملے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ رائے دی کہ چونکہ یہ ہمارے قرابت دار ہیں چنانچہ ان کو ”فدیہ“ لے کر چھوڑ دیا جائے اور اس رقم کو جہاد اور دوسرے دینی امور میں استعمال کیا جائے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اللہ ان کی اولاد کو اسلام کی نعمت سے نوازے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بالکل اس کے برعکس رائے دی۔ انہوں نے کہا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے بلکہ ہم میں سے ہر ایک ان میں سے اپنے قریبی رشتہ دار کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا۔ لیکن اللہ رب العزت کو کچھ اور ہی مقصود تھا۔ دوسرے دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے پایا تو اس کی وجہ پوچھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ پر مسلمانوں کے لئے عذاب اس درخت سے بھی قریب دکھایا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

(الانفال:٦٧تا٦٨)

"نبی کے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ ان کو قیدی بناتے جب تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی نہ کر لیتے ۔ اے مسلمانوں کیا تم دنیا کا سازو سامان چاہتے ہو ؟ جبکہ اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے کمال حکمت والا ہے اور اگر ایک حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے گزر نہ چکا ہوتا۔ یقیناً جو تم نے لیا تم کو اس کی وجہ سے پہنچتا بڑا عذاب"۔

(دیکھئے صحیح مسلم ،کتاب الجہاد ،باب اباحۃ الغنائم)

اس واقعہ سے یہ پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ جب شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی رائے جب کسی معاملے میں ایک ہو جاتی تو اس کے خلاف نہ کرتے ،چاہے دوسری طرف کتنے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود ہوں۔ یہ بات اس چیز کی واضح دلیل ہے کہ مشورہ کرتے وقت کثرتِ رائے کے بجائے مشورہ دینے والے مشیر کی اہلیت و قابلیت کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ کسی بھی معاملے میں اصل فیصلہ کثرتِ رائے کے بجائے امیر کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔

نماز کے لئے منادی پر مشورہ:

اسی طرح بخاری و مسلم میں ہے کہ نماز کی منادی کرنے کے لئے مختلف طریقہ کار سامنے آئے ۔کسی نے کہا کہ نصاریٰ کے طریقے کو اور کسی نے یہود یوں کے طریقے کو اپنانے کا مشورہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ کسی ایک آدمی کو نماز کے لئے بلانے کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کام کے لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ اس واقعہ سے بھی یہ پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ ان امور بھی صحابہ کرام سے مشاورت کرتے تھے جس کے بارے میں بذریعہ وحی کوئی واضح

دلیل موجود نہ ہو اور یہ بھی کہ مختلف آراء سننے کے بعد کسی رائے کا اقرب الی الحق یا رضائے الٰہی کے قریب ہونا پسندیدگی کا معیار تھا۔ رائے دینے والوں کی تعداد نہیں گنی جاتی تھی۔

غزوۂ احد:

غزوۂ احد کے موقع پر جب قریشِ مکہ تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے اس امر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشاورت کی کہ جنگ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ طور پر لڑی جائے یا شہر سے باہر نکل کر میدان میں لڑی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی رائے تھی کہ جنگ شہر میں رہ کر لڑی جائے اور کبائر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے بھی یہی تھی۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بھی یہی چاہتا تھا۔ لیکن چند نوجوان صحابہ جنہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی تھی، ان کا اصرار تھا کہ جنگ باہر میدان جا کر لڑی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے باہر لڑنے کا اعلان فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ ہتھیار منگوائے اور دوہری زرہ پہن کر تشریف لائے۔ اسی اثناء میں کبائر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس بات کو پسند کر رہے تھے اسی کو اختیار کرنے میں خیر تھی۔ چنانچہ جب ان نوجوان صحابہ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے معذرت کی اور آپ ﷺ کو اپنی سابقہ رائے کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

> "کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ اسلحہ جنگ زیبِ تن کرے اور دشمن کی طرف نکلنے کا اعلان کرے تو اس سے لڑے بغیر واپس ہو۔ میں نے تمہیں یہ بات کہی تھی تو تم نے اسے تسلیم نہ کیا اور باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا۔ اب تم پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرو اور جب دشمن سے مقابلہ ہو تو جنگ میں ثابت قدم رہو اور اس بات کا خیال رکھو کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، اسی طرح کرو"۔

(البدایہ والنہایہ ج:۴ص۱۲)

اس واقعہ سے بھی یہ بات پتہ چلتی ہے کہ لوگوں کی اکثریت مدینہ میں رہ کر جنگ لڑنے کی قائل تھی مگر رسول اللہ ﷺ نے ان چند نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلجوئی کے لئے مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ کیا مگر جب بعد تمام صحابہ کرام بشمول نوجوان صحابہ بھی مدینہ میں رہ کر جنگ لڑنے کا مشورہ دینے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے اکثریت کی بات کو رد کرتے ہوئے اپنا فیصلہ برقرار رکھا۔

دورِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

دین جمہوریت کے دلدادہ دورِ خلفائے راشدین کے بارے میں بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان میں بھی تمام امور جمہوری بنیادوں پر طے ہوتے تھے۔اس حوالے سے بھی چند مثالیں سامنے رہیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسے کسی بھی جمہوری اقدار کا دور دور تک کوئی شائبہ بھی دورِ خلفائے راشدین میں نہیں ملتا جس کا ڈھنڈورہ یہ جمہوریت کے داعی پیٹتے رہتے ہیں۔

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب کے قبائل مرتد ہونے لگے اور کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ جھوٹے داعیانِ نبوت کھڑے ہونے لگے اور آئے دن اُن کی قوت میں اضافہ ہونے لگا۔دوسری طرف جیشِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا مسئلہ بھی سامنے تھا جس کو خود نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں ترتیب دیا تھا۔ان حالات کے پیش نظر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے جیشِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے متعلق مشورہ کیا تو ان نازک حالات میں شوریٰ فوری طور پر لشکر کی روانگی کے خلاف تھی لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا دوٹوک فیصلہ ان الفاظ میں فرمایا:

"اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر مجھے یہ یقین ہو کہ درندے آکر مجھے اٹھالے جائیں گے، تو بھی میں اسامہ کا لشکر ضرور روانہ کروں گا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا تھا اور اگر ان آبادیوں میں میرے سوا کوئی شخص بھی باقی نہ رہے تو بھی میں یہ لشکر ضرور روانہ کروں گا"۔

(طبری جلد ۳ ص ۲۲۵)

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس دوٹوک فیصلہ کے بعد بااتفاق یہ لشکر بھیجا گیا جو چالیس دن کے بعد کامیاب ہو کر واپس لوٹا۔

مانعین زکوٰۃ کا معاملہ:

اس کے بعد مانعینِ زکوٰۃ کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ نے انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور ان مشاورت چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے خلیفہ رسول ﷺ! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اس وقت عرب سے نماز ادا کرنے کو ہی غنیمت سمجھیں اور زکوٰۃ پر مواخذہ نہ کریں اور اس وقت مہاجرین و انصار میں تمام عرب و عجم کے مقابلے کی سکت نہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سننے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے رائے طلب کی تو انہوں نے حرف بہ حرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کی۔ اس کے بعد تمام انصار و مہاجرین بھی اسی رائے کی تائید میں یک زبان ہوگئے ۔یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں برابر امرِ الٰہی پر قائم رہوں گا اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا...... اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ جو زکوٰۃ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے اس میں سے ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے برابر جہاد کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میری روح اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ خواہ ان لوگوں کی مدد کے لئے ہر درخت اور پتھر اور جن و انس میرے مقابلے کے لئے جمع ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں رکھا بلکہ دونوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے"۔

(کنز العمال جلد۳ص۴۲)

یہ تقریر ختم ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور فرمایا:

"اللہ کی قسم! اس کے بعد میں سمجھ گیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں جو لڑائی کا ارادہ ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا ہے اور میں پہچان گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے حق ہے"۔

(بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین)

اس واقعہ سے اسلامی نظامِ شوریٰ کی کتنی وضاحت اور جمہوری اقدار کی نفی ہوتی ہے کہ ایک شخص کی رائے چونکہ اقرب الی الحق تھی تو تمام لوگوں کی رائے پر حاوی ہو گئی۔

جنگ قادسیہ کے موقع سپہ سالار کا مسئلہ:

جنگِ قادسیہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ہراول کا سردار مقرر فرمایا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو میمنہ پر اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو میسرہ پر مقرر فرما کر خود سپہ سالار بن کر روانگی کا عزم فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور فوج لے کر

مدینہ سے روانہ ہوئے اور چشمہ صرار پر آکر قیام کیا۔ فوج میں لڑائی کے لئے بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ خلیفہ وقت خود اس فوج کا سپہ سالار تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا خود عراق جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام سردارانِ فوج اور عام لشکری لوگوں کو ایک جگہ کا مخاطب کر کے مشورہ طلب کیا تو کثرتِ رائے خلیفہ وقت کے ارادے کے موافق ظاہر ہوئی ۔ لیکن حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس رائے کو ناپسند کرتا ہوں ۔ خلیفہ وقت کا خود مدینہ منورہ سے تشریف لے جانا خطرہ سے خالی نہیں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے بلایا گیا اور تمام اکابر صحابہ سے مشورہ کیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمام جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اجتماع عام کیا کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں تمہارے ساتھ عراق جانے کو تیار تھا لیکن صحابہ کرام کے تمام صاحب الرائے حضرات میرے جانے کو ناپسند کرتے ہیں لہٰذا میں مجبور ہوں ۔ اب کوئی دوسرا شخص سپہ سالار بن کر تمہارے ساتھ جائے گا''۔

اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ کس کو سپہ سالار بنا کر عراق بھیجا جائے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت سب نے اس کی تائید کی اور ان کو سپہ سالار بنا کر روانہ کر دیا گیا۔

اس واقعہ مشاورت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جمہوری اقدار کے برعکس متعدد صاحب الرائے اشخاص کی رائے عوام الناس کی بھاری اکثریت کی رائے سے زیادہ وزنی ہوتی ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام فوج اور فوج کے سرداروں اور خود اپنی خواہش کے مطابق ایک معاملہ طے کیا۔ لیکن صرف چند اہل الرائے کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے اکثریت کی رائے کو رَد کر دیا۔

سفر شام کے دوران طاعون کا مسئلہ:

صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام کی طرف سفر کو نکلے کہ اور جب مقامِ سرغ پر پہنچے تو اسلامی حکام فوجی سرداروں وابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جو شام کے گورنر تھے وہ آکر ملے اور خبر دی کہ آج کل شام کے علاقے میں طاعون کی وباء پھیلی ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "مہاجرین اول کو بلاؤ"۔ میں انہیں بلایا تو انہیں شام میں وباء پھیلنے کی اطلاع دی اور اس کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ ان کا آپس میں اختلاف ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو واپس بھیج دیا اور انصارِ مدینہ کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ ان میں بھی مہاجرین کی طرح اس معاملے میں اختلاف ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد آپ نے ان قریشی مہاجرین بزرگوں کو طلب کیا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ ان میں سے دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہ ہوا اور کہنے لگے کہ ہم یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نہ جائیں اور لوگوں کو اس وباء میں نہ جھونکیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ واپسی کا اعلان کیا تو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ آپ تو تقدیر الٰہی سے بھاگ رہے ہیں۔ اتنے میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ آگئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس معاملہ کا شرعی حکم معلوم ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوئے سنا کہ:

"جب سنو کسی شہر میں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر ایسی جگہ طاعون پھیل جائے جہاں تم پہلے سے موجود ہو وہاں سے مت بھاگو"۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور واپس آگئے۔

(دیکھئے صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی ملتی ہے کہ جن لوگوں سے مشورہ لیا جائے ان کے فرق مراتب کا لحاظ رکھا جائے۔ جو لوگ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کی رضاجوئی پیش پیش

ہوں، مشورہ کے سب سے زیادہ حقدار وہی لوگ ہیں اور دوسرا یہ کہ مشورہ کے بعد رائے شماری اور اکثریت کے فیصلہ کا کوئی معیار نہیں ہے۔

عراق کی مفتوحہ زمینوں کا معاملہ:

جب عراق اور شام کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور ان زمینوں پر قبضہ ہو گیا تو امرائے فوج نے اصرار کیا کہ مفتوحہ مقامات ان کے صلۂ فتح کے طور پر انہیں عطا کی جائیں اور ان کے باشندوں کو ان کی غلامی میں دیا جائے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان زمینوں کو ان کے باشندوں کے پاس ہی رہنے دیا جائے اور ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔

اکابرِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ اموالِ غنیمت کے علاوہ زمینوں اور قیدوں کی تقسیم پر بھی مُصر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر مفتوحہ علاقے فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی مدافعت اور امن وامان قائم رکھنے کے لئے مصارف کہاں سے آئیں گے اور اس سے بڑھ کر یہ مصلحت بھی تھی کہ اگر زمین افواج میں تقسیم کر دی جائیں تو وہ جہاد کی طرف سے غافل ہو جائیں گے اور بڑی بڑی جاگیریں وجود میں آجائیں گی۔ لہٰذا اموالِ غنیمت تو فوج میں تقسیم کر دینے چاہئیں اور زمین بیت المال کی ملکیت قرار دی جانی چاہیے۔

چونکہ دونوں طرف دلائل موجود تھے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کے لئے مجلس مشاورت طلب کی۔ یہ مجلس دس افراد پر مشتمل تھی، پانچ مہاجرین اور پانچ انصار میں سے۔ حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور کئی دن تک بحث چلتی رہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دفعتاً قرآن کریم کی ایک آیت یاد آئی جو بحث طے کرنے کے لئے نصِ قاطع تھی۔اس آیت کے ابتدائی فقرے ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾(الحشر:۱۰) سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر اسے فاتحین میں تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باتفاق ان کی رائے کو درست قرار دیا۔

(دیکھئے شرح السنۃ بحوالہ مشکوٰۃ، باب الفیئ)

مندرجہ بالا حقائق کثرتِ رائے کے معیارِ حق ہونے کے جو کہ جمہوریت کا اصل خاصہ ہے، ابطال پر دوٹوک اور قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جو جمہوریت کی اس "نیلم پری" کے دامِ فریب میں مبتلا ہو کر جمہوریت کو اسلام کے نظامِ شوریٰ سے جوڑتا رہے تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾

"پس جب انہوں نے ٹیڑھا راستہ اختیار کیا تو اللہ نے اُن کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ ہر گز کسی فاسق و فاجر کو ہدایت نہیں دیا کرتا"۔

(الصف:۵)

⑥ دعوتی مصلحت

آخر دلیل جس کو جمہوریت پر ایمان رکھنے والے اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ یا اسمبلی میں جانے میں بڑی مصلحتیں ہیں بلکہ بعض تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ اس کی دلیل "مصلحت مرسلہ" ہے اور پھر دعوت الی اللہ اور کلمہ حق کے پرچار اور منکرات کے ازالے اور دعوت وداعیان پر کی گئی پابندیوں و سختیوں میں تخفیف کا تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں عیسائیوں یا گمراہوں یا شیعہ کے لئے خالی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کچھ لوگ ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ کی شریعت

کی حاکمیت اور اس کے دین کی اقامت کی مصلحت یہیں سے حاصل ہو سکتی ہے۔اس کے علاوہ ان کی اور بہت سی بھونڈی اصطلاحات ورقیق تاویلات وباطل خواہشات، جن کا تعلق اور مدار ''مصلحت'' پر ختم ہوتا ہے۔

اس سے پہلی بات ہم یہ کہتے ہیں کہ کون ہے جو اپنے دین اوراپنے بندوں کی مصلحتوں سے کماحقہ آگاہ ہے۔ اللہ لطیف وخبیر یا یہ جمہوریت کے رسیالوگ اپنی باطل اصطلاحات اور استحسانات کے ساتھ ؟اگر ان کا گمان یہ ہے کہ ''ہم''. تو پھر ہم کہیں گے کہ '' تمہارے لئے تمہارا دین اور ہمارے لئے ہمارا دین''۔یعنی یہ جن کی عبادت کرتے ہیں، ہم ان کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم جس وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرتے ہیں یہ اس کی عبادت نہیں کرسکتے کیونکہ اللہ نے اپنے کلام میں فرمایادیا:

﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾
''ہم نے کتاب میں کچھ بھی نہیں چھوڑا''۔

(الانعام :۳۸)

اور یہ توہمارے دین میں ہے، جبکہ ''دین جمہوریت''میں توانسان خود ہی قانون ساز اور خود ہی اس کے مطابق فیصلہ کرنے والا اور خود ہی اس پر چلنے والا ہے۔ تو گویا کہ انسان آزاد ہے کہ جو قانون یا دین بنائے جس پر چاہے چلے، جسے چاہے ٹھکرادے،اس کا بنایاہوا قانون جس پر وہ عمل پیرا ہے کتاب اللہ کے مطابق ہو یا مخالف اس کی کچھ اہمیت نہیں۔

﴿اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾
''تف ہے تم پر اور اللہ کے سوا تمہارے معبودوں پر کیا تم عقل نہیں رکھتے''۔

(الانبیاء:٦٧)

اور جبکہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہی ہے جو اپنے بندوں کے لئے حدود مقرر کرتا ہے کیونکہ وہ خالق ہے اپنی مخلوق کی مصلحتوں سے آگاہ ہے:

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾

"کیا وہ نہیں جانتا کہ اس نے کس کو پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے"۔

(الملك: ۱۴)

تو پھر بتائیں کہ وہ کون سی بڑی " مصلحت" ہے جس کی خاطر اس نے انسان وجنات اور زندگی اور موت پیدا کی اور اسی کی خاطر کتابیں اتاریں، انبیاء بھیجے، جہاد فرض کیا اور جس کی خاطر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جاتی ہے؟ اب اگر جواب یہ ہو کہ وہ توحید خالص اور اس کے منافی شرک وکفر سے اجتناب وبغض وعداوت کا اظہار ہے۔ تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اے اصحاب عقل وفہم! کیا یہ بات عقل کے لائق ہے کہ اس عظیم، قطعی، کلی مصلحت کو فوت کر دیا جائے اور طاغوت کی موافقت کرتے ہوئے اللہ کے دین کے علاوہ غیر اللہ کے دین جمہوریت کو قبول کر لیا جائے اور غیر اللہ کے قانون دستور کا احترام کیا جائے اور قانون ساز " آلھۃ باطلہ" کی اتباع کی جائے اور دیگر جزوی، ظنی، مرجوح مصلحت کی خاطر کائنات کی اس سب سے عظیم مصلحت یعنی " توحید خالص اور طواغیت کے ساتھ کفر کرنا" اسے فوت کر دجائے........؟ اس ظلم وناانصافی پر سوائے "کفریہ دین جمہوریت" کے کوئی اور دین یا قانون راضی نہ ہو گا۔ پھر اس شرکیہ پارلیمنٹ میں اسلام کی حقیقی اور بنیادی دعوتِ توحید کو دفن کرنے کے بعد کون سا حق یا دعوت ہے جس کا وہ پرچار کریں گے؟ کیا جزئی اور فرعی مصلحتوں کی خاطر اصل الاصول سے صرف نظر کیا جا سکتا ہے؟ اور پھر جب ان جزئی اور فرعی مصلحتوں کی حصول کی خاطر کوشش بھی کی جائے مثلاً شراب کو حرام قرار دینے کی کوشش کی جائے تو یہ مطالبہ کس دلیل اور سند کے ذریعے ہو گا؟ کیا یہ کہا جائے گا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام کیا ہے یا اگر لوگوں کا یہی زعم ہے تو یہ جھوٹ ہے کیونکہ جمہوری دین اور دستوری قانون میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ صرف دستور ہی اصل مصدر وماخذ ہے۔ لہٰذا اس مطالبے کے لئے یہی کہنا ہو گا کہ "آئین" کے آرٹیکل فلاں فلاں میں اس

طرح ہے۔ لیکن دراصل یہی تو وہ ”شرک و کفر اور الحاد“ ہے کہ اس راہ پر چلنے والے کا عقیدہ توحید محفوظ نہیں رہ سکتا۔

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَ قَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّكۡفُرُوۡا بِهٖ وَ یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا﴾

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا زعم ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ فیصلے کے لئے طاغوت کے پاس ہی جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ اس کے ساتھ کفر کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں لا پھینکے“۔

(النساء:٦٠)

[فصل چہارم]

کیا جمہوریت کے راستے اسلام کا نفاذ ممکن ہے؟

ان تمام دلائل و برھان کے باوجود کچھ لوگ اس بات پر بضد نظر آتے ہیں کہ "ہم قرآن و سنت کے تابع جمہوریت کے قائل ہیں"۔ یہ کلمہ اسی طرح مردود ہے جس طرح کوئی یہ کہے کہ "ہم قرآن وسنت کے تابع کفر و شرک کے قائل ہیں"۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ شریعت میں کسی بھی معاملے میں فیصلہ کرنے کے لئے "کثرتِ رائے" یا "عوامی رائے دہندگی" کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ اصل شے یہ ہے کہ رائے یا مشورہ دینے والے اس کے اہل ہوں اور دوم یہ کہ کسی بھی رائے یا مشورہ کو اقرب الی الحق ہونا چاہیے، چاہے وہ سو افراد میں سے ایک ہی کی کیوں رائے یا مشورہ نہ ہو جبکہ جمہوریت میں اصل فیصلہ ساز ہی "اکثریت" ہے تو پھر اس جمہویت کا اسلام سے کیا جوڑ؟ اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ اسلام اور جمہوریت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں ایک الگ الگ نظام اور طریقہ کار رکھتے ہیں تو پھر دونوں کا آپس میں خلط ملط کرنے کی جسارت کیوں کی جاتی ہے۔ کیا یہ طرزِ عمل علمائے یہود والا نہیں جو وہ ہر باطل چیز کو حلال کرنے کے لئے حق کا سہارا دے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی روش کی بنا پر قرآن کریم نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

"اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور نہ حق کو چھپاؤ جبکہ تم جانتے ہو"۔

(البقرۃ:۴۲)

اور کیا تکمیل دین اور نظامِ سیاست کے حوالے سے ہر معاملے میں اللہ کے رسول ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت واضح ہونے کے باوجود نت نئے طریقہ ایجاد کرنا یا اختیار کرنا، چاہے اس میں کتنی ہی خیر و برکت نظر آئے، دین میں نئی بات یعنی بدعت پیدا کرنے کے مترادف نہیں؟ آج

مسلمانوں کی اکثریت شریعت کے واضح کئے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر غیروں کے دیئے ہوئے جمہوری نظام یا طریقوں کو جس کا شریعت کے متصادم ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے، مختلف حیلوں و بہانوں سے اپنے لئے جائز نہیں بلکہ عین اسلام قرار دے کر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

تکمیل دین کے بعد آخر اس بات کی ضرورت کیا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر کسی اور نظام کو اختیار کریں یا اس کو "مشرف بہ اسلام" کرنے کی کوشش کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی خبر آج سے چودہ سو سال قبل دے دی تھی کہ آخری زمانے میں لوگ اللہ کے رسول ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو چھوڑ کر دین کے معاملے میں مختلف طریقوں کو دین سمجھ کر اختیار کرنا شروع کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً وَّجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مَوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا، قَالَ أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ وَأَنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"

"(صحابہ اکرام بیان کرتے ہیں کہ) ہمیں نصیحت فرمائی اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی نصیحت جس کو سن کر (ہمارے) دل دہل گئے (ہماری) آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ نصیحت تو گویا رخصت کرنے والے کی وصیت لگتی ہے تو آپ ہمیں وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی اور اپنے حاکموں کے (معروف) احکام سننے اور قبول کرنے کی، خواہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو

اپنے اوپر لازم کر لو اور اس کو دانتوں سے مضبوط تھام لو، اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو، کیوں کہ ہر نئی جاری کی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

(ابوداؤد، ترمذی، مسنداحمد)

یعنی آخری زمانے میں جب لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگیں اور اسلام کے دیئے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر نت نئے طریقوں کو اسلام کا لبادہ اوڑھا کر اپنانے کی کوشش کریں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو یہ وصیت کر رہے ہیں کہ اس قسم کی گمراہیوں سے بچنا اور میرے اور میرے خلفائے راشدین کی سنت یعنی طریقے کو دانتوں سے تھام لینا۔ دانتوں سے تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہاتھوں سے نہیں تھام سکتے تو دانتوں سے پکڑ لینا۔ یعنی حالات کتنے ہی نامساعد اور ناسازگار نظر آئیں، کتنے ہی تکالیف اور مصیبتوں کے پہاڑ تم پر ٹوٹ جائیں تم اس کو تھامے رکھنا اور نت نئے طریقوں کو ایجاد کرنے یا اختیار کرنے سے مکمل بچنا۔ لہٰذا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اجمع المسلمون على أن من استبان له سنة عن رسول الله ﷺ لم يحل له أن يدعها لقول احد''

"اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جس شخص پر رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت واضح ہو جائے، اس کے لئے "حلال" نہیں کہ وہ کسی کے بھی کہنے پر اسے ترک کر دے"۔

اور بھلا کیا ان جمہوریت کے بت کدوں (پارلیمنٹس) میں شرکیہ اور کفریہ راستوں کے سوا قانون سازی ممکن ہے؟ پھر بھی لوگ اللہ کا نازل کردہ دین اور نظام اسی کفریہ راستے سے چل کر قائم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا یہ نہیں جانتے کہ یہ مسدود کفریہ راہیں ہیں کیونکہ بالفرض محال اگر ایسا ہو بھی گیا تب بھی یہ اللہ کا نظام نہ کہلائے گا بلکہ دستوری یا عوامی یا جمہوری نظام ہی کہلائے گا۔ عمل، قانون سازی اور نفاذ کے اعتبار سے قطعاً اللہ کا نظام نہ ہو گا بلکہ یہی تو طاغوتی نظام کہلاتا ہے جس میں بعض امور اللہ کے نظام کے مطابق ہی کیوں نہ ڈھالیں گئے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَّ لَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا﴾
''اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔

(الکہف:۲۶)

﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾
''نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ کے لئے''۔

(یوسف:۴۰)

﴿وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ﴾
''اور یہ کہ حکم کر ان کے مابین اللہ کے نازل کردہ کے مطابق''۔

(المائدہ:۴۹)

چنانچہ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے نازل کردہ کے مثل کے مطابق یا دستور یا قانون کے مطابق بلکہ یہ توجمہوریت کے بندوں اور مشرکین کا کہنا ہے ۔لیکن پھر بھی لوگ کن احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں؟ کیا یہ تاریخی حقائق و تجربات سے فائدہ نہیں اٹھاتے؟ کیا نہیں دیکھتے کہ الجزائر، کویت مصر وغیرہ میں اور پاکستان میں بھی میں کیا ہوتا آیا ہے کہ ان اسمبلیوں کو طاغوت کے ہاتھوں کا کھلونا بنا دیا گیا۔ اس نے جب چاہا اسے مشروع کر دیا اور جب چاہا تحلیل کر دیا۔ نیز اس جمہوری نظام میں کوئی قانون اس وقت تک قابل عمل نہیں جب تک کہ طاغوت اس کی تصدیق نہ کر دے۔ تو کیا اب بھی یہ جمہوریت کے شیدائی اس ''کفر بواح'' اور ''شرک صریح'' پر اصرار کرتے رہیں گے اور چیختے چلاتے رہیں گے اور یہی راگ گاتے رہیں گے کہ ہم ان اسمبلیوں کو شیعوں اور عیسائیوں وغیرہ جیسے ملاحدہ کے لیے کیونکر خالی چھوڑ دیں؟ تو کیا اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس بات کی اجازت دے سکتے ہیں کہ کوئی مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی رکھتا ہو اور وہ زندیقوں اور فاسقوں کی ایسی مجالس میں شریک ہو جہاں قانون سازی کا حق قرآن وسنت کو نہیں بلکہ اکثریت کو حاصل ہو یا بالفاظِ دیگر کیا اہل ایمان کی شوریٰ میں فاسقوں اور

زندیقوں کی شرکت کسی صورت میں جائز ہو سکتی ہے چاہے اُن کو لوگوں کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو؟ تف ہے ایسی بے عقلی اور خسیس تدبیر پر۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

''اور آپ کو وہ لوگ غمزدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی دکھاتے ہیں یقیناوہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا حصہ نہ رکھے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے''۔

(آل عمران:۱۷۶)

لیکن پھر بھی یہ داعیانِ جمہوریت ان ملحدوں میں شامل رہیں تو یہ طرز عمل انہیں مبارک، لیکن جان رکھیں یہ شراکت اس دنیا تک محدود نہ رہے گی بلکہ آخرت میں بھی انہی کے ساتھ ہوں گے، جیسا کہ اللہ اس طرح کی مجالس (عربی میں اسمبلی کو مجلس کہتے ہیں جس کی جمع مجالس ہوتی ہے) میں شرکت سے روکنے کے بعد نہ رکنے کی صورت میں انجام بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا﴾

''یقیناً اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکھٹا کرنے والا ہے''۔

(النساء:۱۴۰)

کیا ان سب باتوں کے بعد بھی انہیں یہ یقین نہیں کہ یہ کفریہ نظام، اللہ کے دین کے مقابل ایک مستقل دین اور ملت توحید کے منافی ایک ملت ہے۔ پھر اس پر اتنی فریفتگی کیوں؟ پوچھیں اپنے دلوں سے اگر اس میں ایمان ہے۔ چنانچہ ان اسمبلیوں کو انہی کے لئے چھوڑ دیں جو اس کے اہل ہوں اور پھر ان بت کدوں کو چھوڑ کر ملت ابراہیمی کی اتباع کریں اور وہی بات کہیں جو پدر ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی یعنی یوسف علیہ السلام نے حالانکہ وہ کمزور اور بے یار و مددگار قید میں تھے:

﴿اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ، وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ﴾

”یقینا میں نے ایسی قوم کے دین کو ترک کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتی اور وہ آخرت کی بھی منکر ہے اور اپنے آباء ابراہیم، اسحاق، یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے۔ ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک کریں یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے“۔

(یوسف:۳۷،۳۸)

یعنی اس دین کو اختیار ہی نہیں کیا جس میں شرک وانکار ہو۔ سوائے مسلمان بھائیوں! چھوڑ دو طاغوت اور طاغوتی اسمبلیوں کو ان سے بیزاری کا اظہار کرو کیونکہ یہی روشن حقیقت ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ﴾

”اور تحقیق ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے الگ رہو پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دے دی اور بعض پر گمراہی صادق آگئی“۔

(النحل:۳۶)

کہیں ایسا نہ ہو کہ مہلت ختم ہو اور قیامت قائم ہو جائے تو اس سے قبل ہی تم یہ سب دھندے چھوڑ دو پھر اس دن تم تمنا ہی کرتے رہ جاؤ گے اور اس دن ندامت وحسرت کچھ کام نہ آئے گی:

﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ﴾

”اور جن لوگوں نے اتباع کی ہو گی (کفر وضلالت میں پڑے رہنماؤں کی) ۔ کہیں گے ہائے کاش! ہمیں ایک بار لوٹنا نصیب ہو دنیا میں پھر ہم ان سے بری ہو جائیں گے جیسے وہ آج ہم سے بری ہو رہے ہیں اللہ ان کے اعمال ایسے ہی ان پر حسرتیں بنا کر انہیں دکھائے گا حالانکہ وہ آگ سے نکل سکنے والے نہ ہوں گے“۔

(البقرہ:١٦٧)

اگر ان سب حقائق کے باوجود بھی داعیان جمہوریت اس سے باز نہ آئیں تو ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے، اُس کے اختیار میں کوئی ساجھی نہیں۔

﴿وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ﴾

’اور جس کو اللہ گمراہ رہنے دے تو کون ہے اس کو ہدایت دینے والا اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے تو کون ہے اس کو گمراہ کرنے والا“۔

(الزمر:٣٨،٣٧)

حرفِ آخر

سابق امریکی صدر بش جونئیر نے دوسری مدت کے لئے صدر منتخب ہونے کے بعد کہا تھا:

''امریکہ دنیا کے ایک ایک تاریک غار میں جمہوریت کی شمع روشن کرے گا''۔

آج جبکہ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ یہود و نصاریٰ ہمارے دشمن ہیں اور ہمارے لئے کسی بھی بھلائی کے خواہاں نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن نے کہا:

﴿لاَ يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالاً قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾

''وہ (کفار) کوئی کسر تمہیں نقصان پہنچانے میں نہیں اٹھا رکھیں گے۔ تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی اُن کو محبوب ہے (اور) ان کا بغض و عداوت اِن کی زبان سے ظاہر ہو جاتا ہے، اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے کھول کھول کر تمہارے لئے اپنی آیات بیان کر دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو (تو تمہارے لیے اس میں نصیحت ہے)''۔

(آل عمران:۱۱۸)

تو پھر سوچئے! آخر وہ کیوں جمہوریت کی اس نیلم پری کو تمام اسلامی ممالک میں فروغ دینے کے لئے کوشاں ہیں؟؟ آخر کیا وجہ ہے کہ جس خیر کو وہ پوری دنیا کے لئے اور خصوصاً اسلامی ممالک کے لئے لازمی سمجھتے ہیں وہ خود اس کے برخلاف اقوام متحدہ (U.N.O) میں اسے بہتر نہیں سمجھتے اور وہاں انہوں نے ویٹو سسٹم (Vito system) رائج کیا ہوا ہے۔

آخری بات یہ کہ وہ سیاسی جماعتیں جو دین کا نام لیوا ہیں ،انہوں نے احیاءِ اسلام کے لئے اسوۂ رسولِ اکرم اور منہج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرنے کے بجائے کفریہ نظامِ جمہوریت کا غیر اسلامی انتخابی راستہ اختیار کیاہوا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ‌ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْۤا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

''اور جو کوئی لائے گا اسلام کے سوا کوئی اور دین تو اس سے وہ ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا۔ اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا حالانکہ وہ (اس سے پہلے) گواہی دے چکے ہیں کہ بیشک یہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہیں اور وہ ان کے پاس لائے ہیں واضح تعلیمات اور اللہ تعالیٰ ایسی ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا''۔

(اٰلِ عمران:۸۵)

حقیقت یہ ہے کہ سامراجی طاقتوں سے آزادی کے بعد سے آج تک جن ممالک میں کفریہ جمہوری نظام رائج ہے، جمہوریت پر یقین رکھنے والی ان جماعتوں کو مرکز میں دو تہائی اکثریت کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ اگر حاصل بھی ہوئی تو ان کا مینڈیٹ تسلیم کرنے سے انکار کر کے حکومت کی تشکیل دینے پر پابندی لگادی گئی یا اسمبلیاں برخواست کر دی گئیں۔ الجزائر میں جہاں اسلامی پارٹی نے دو تہائی سے بھی زیادہ اکثریت حاصل کی، فوج نے اس کو تسلیم نہیں کیا اوراس الیکشن کو کالعدم قرار دیکر خود اقتدار پر قابض ہو گئی اور فلسطین میں اس کی تازہ مثال موجود ہے جہاں حماس کی حکومت جو کہ جمہوری اصولوں کی بنیاد پر عوام کی اکثریت کی رائے سے منتخب ہوئی، لیکن صرف سال ڈیڑھ سال میں بیرونی آقائوں کے اشارے پر بغیر کسی وجہ کہ، برخاست کر دی گئی مگر دنیائے جمہوریت کے علمبرداروں کی طرف سے کوئی مذمت یا آواز نہیں اٹھائی گئی۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام

چہرا روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

آج بھی متعدد مسلم ممالک میں یہ دین کا نام لینے والی جماعتیں کئی دہائیوں سے انتخابات میں شریک ہو رہی ہیں جس کے نتیجے میں چند امیدوار تو منتخب ہو جاتے ہیں لیکن اسلامی نظام کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا البتہ مسلسل کفریہ نظام جمہوریت کو اختیار کئے رکھنے اور منہج نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو نہ اپنانے کی وجہ سے حکومتِ الٰہیہ کی منزل دور ہوتی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ''جمہویت'' نظامِ اسلام کے نفاذ کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ کفریہ طاقتیں کفریہ جمہوری نظام کے ذریعے نظامِ اسلام کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی پوری کوشش ہے کہ مسلم ممالک میں دین کا نام لیوا جماعتوں کو انتخابی سیاست کے جھمیلوں میں پھنسا کر ''دعوت و جہاد'' کے نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ منہج سے روکا جائے۔ اسی لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت بنائے خوب آزادی کے پھندے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

چنانچہ مسلمانون کو چاہیے اس کفریہ جمہوری راستے کو ترک کر دیں جو بظاہر سیدھا، آسان اور مختصر معلوم ہوتا ہے جبکہ درحقیقت یہ راستہ منزل کو جاتا ہی نہیں اس کے برعکس اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جو راستہ منتخب کیا ہے اس کو اختیار کریں جو اگرچہ کٹھن اور مصاحب وآلام سے بھرا ہوا ہے لیکن آخر کار اس کے ذریعے ہی قافلہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ وہ راستہ کیا ہے؟ جس کو اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنا راستہ قرار دیا اور اس کے چھوڑنے والوں کے لئے ذلت وپستی کی وعید سنائی اور اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ اختیار کرنے والوں کو مسلمانوں میں شمار نہیں کیا؟

((بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدُاللّٰهُ وَحَدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَجُعِلَ رِزْقِيْ فِيْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ وَجُعِلَ الذُّلُّ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

"مجھے قیامت تک کے لئے "تلوار" کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ وحدہ، لا شریک کی عبادت کی جانے لگے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا گیا ہے۔ اور جس نے میرے (اس) امر کی مخالفت کی، اُس کے لئے ذلت اور پستی رکھ دی گئی اور جس نے (میرے اس طریقے کو چھوڑ کر) کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو اُنہی میں (شمار) ہو گا۔"

(مسنداحمد، طبرانی)

جب ہی علامہ اقبال کہہ گئے کہ:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی ﷺ